ZEMTime

آسیہ رئیس خان

اک رات چھپی ایسی

digest novels lovers group ❤❤

بے مہر نہیں یہ زندگی

اس گھر میں یہ اس کی پہلی صبح تھی۔ اول وقت میں فجر پڑھ کے وہ کمرے سے باہر آئی۔ اسے علم تھا ،فرحین کی طرح ہی نانا، نانی بھی فجر پڑھتے ہی دوبارہ سونے کے عادی ہیں۔

باورچی خانے میں آکر اس نے اپنے لیے چائے بنائی۔ کچھ دیر کیبنٹ میں کھنگالنے کے بعد بسکٹ بھی مل گئے۔ اس نے پلیٹ میں بسکٹ اور کپ رکھا اور صحن میں آگئی۔ اپنے گھر میں بھی اس کی یہی عادت تھی۔ نماز پڑھ کے چائے کا کپ اور بسکٹ لیے ہال کی کھڑکی میں بیٹھ جاتی۔ چوتھی منزل کے فلیٹ سے نظر آتی نیچے کی گلی اس وقت خالی اور خاموش ہوتی تھی۔ اس پہر یہ تنہائی اور خاموشی اسے بڑی بھلی لگتی تھی۔

باہر اندھیرا تھا۔ یہ متوسط طبقے کا علاقہ تھا۔ یہاں برسوں کے رہائشی تھے جن کی مالی حیثیت کچھ بہتر ہوئی تو انہوں نے اوپری منزلیں بنا کر کرایے پر چڑھا دی تھیں۔ اس لیے آبادی بھی بڑھ گئی تھی۔ سائیکلوں، اسکوٹروں اور موٹر سائیکلوں سے گلی بھری پڑی تھی۔

فرحین بتاتی تھیں کہ ان کا میکہ سفید پوش گھرانا تھا۔ نانا اسکول میں معلم تھے۔ چار بچوں کے ساتھ زندگی کی گاڑی کسی طرح چل رہی تھی۔

مکمل ناول

بڑی خالہ کی شادی کے بعد ماموں کم عمری میں ہی دبئی چلے گئے تھے۔ وہاں بیس برس تک محنت مشقت کے بعد ان کے حالات بدلے تھے۔ پانچ سال پہلے انہوں نے بیوی بچوں کو بھی وہاں بلا لیا تھا۔ انہوں نے وہاں کوئی نیا کام شروع کیا تھا۔ اس کے بعد ہی نانا کے پرانے مکان کا حلیہ بھی بدلنے لگا تھا۔ اوپر کے حصے کی تعمیر بھی دو سال پہلے ہوئی تھی۔

اوپر والے حصے میں خاموشی تھی۔ کیاریوں کے علاوہ باقی صحن میں ٹائل لگے ہوئے تھے۔ بائیں طرف مکان کی آخری دیوار سے لگا اوپر جانے کا زینہ تھا۔ دائیں طرف پرانا نیم کا درخت ایستادہ تھا۔ اس کے علاوہ احاطے کی دیوار سے لگی کیاریوں میں دائیں طرف سبزیاں تھیں اور بائیں طرف کچھ پھولوں کے پودے تھے۔ وہ ہری مرچ اور بیل پر لگا کریلا پہچان پائی تھی۔ انار کا درخت بھی سمجھ میں آگیا تھا۔ گلاب اور گیندے کے علاوہ باقی پودے پھولوں سے خالی تھے۔

وہ بہت کم اپنی ماں کے ساتھ یہاں آتی تھی اور آتی بھی تو پرتکلف مہمانوں کی طرح لیے دیے رہتی۔

دو کرسیاں جہاں رکھی تھیں، اس کے پیچھے نانا نانی کے کمرے کی کھڑکی تھی۔ وہ انہیں چھوڑ کر بائیں طرف اوپر جانے والی سیڑھی پر بیٹھ گئی۔ آسمان پر چاند ستارے نہیں تھے لیکن گلی میں جل رہی سڑک کنارے کی بتی نے صحن کو روشن کر رکھا تھا۔ ابھی دوسرا گھونٹ ہی لیا تھا کہ اوپر آہٹ ہوئی۔ اس نے مڑ کر دیکھا، اسی وقت زینے کے اوپری سرے پر جیکٹ کی زپ بند کرتے شعیب کی نظر اس پر پڑی تھی۔ وہ ٹھٹک کر رک گیا۔ وہ گردن موڑے اوپر دیکھ رہی تھی۔

"چھ، امپٹی اسٹمک کیفین ناٹ گڈ (چھ خالی پیٹ کیفین اچھی نہیں ہوتی)" زپ ٹھوڑی تک کھینچ کر اس نے جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے۔ ثنا اس بےتکلف انداز پر برا مان گئی۔

سیاہ ٹریک سوٹ اور رننگ شوز میں ملبوس اس سرو قد بندے کا حلیہ اعلان کر رہا تھا کہ وہ جاگنگ کے لیے نکلا ہے۔ اس نے کپ پلیٹ میں رکھا اور پلیٹ ہاتھ میں لیے سیڑھی سے اٹھ کر ایک طرف کھڑی ہوگئی۔ وہ تیزی سے نیچے اترا اور اس کے سامنے رک گیا۔ گھٹنوں کو چھوتے ڈھیلے سے گلابی اور کاسنی ٹی شرٹ اور پاجامے پر سیاہ دوپٹا گلے میں جھول رہا تھا۔ رات کی کہانی سنا رہے بال سمیٹ کر لاپروائی سے گدی میں لپیٹے گئے تھے۔ چہرے پر سب سے نمایاں اس کی کشادہ پیشانی اور سیاہ گہری آنکھیں تھیں۔

"گڈ مارننگ۔" اتنی صبح ہی اس کا لہجہ اور چہرے کا تاثر خوش گوار تھا۔ ثنا کی تیوریاں چڑھ گئیں۔

"کیا آپ مارننگ پرسن نہیں ہیں؟" اس کی ناگواری محسوس کر کے اس نے چائے اور بسکٹ پر نظر ڈال کر ذرا حیرت سے پوچھا۔ صبح بخیر سن کر ناراض ایسا ہی انسان ہو سکتا تھا۔

اب کے اس نے ابرو اچکا کر باقاعدہ اس اجنبی کو گھورا۔

"او...... کے" اس نے 'میں سمجھ گیا' کے انداز میں سر ہلا کر او کے کو لمبا کھینچا پھر انگریزی میں اسے اچھے دن کی دعا دیتا، ایک تبسم اس کی سمت اچھالتا گیٹ کھول کر باہر نکل گیا۔

"خوامخواہ ہی!" اس نے چہرے کے تاثرات درست کیے اور سابقہ جگہ پر بیٹھ گئی۔

"کتنے لوگ رہتے ہوں گے اوپر؟" اسے لوگوں سے گویا الرجی تھی۔ نئے اجنبی چہرے اور بھیڑ تو ذرا پسند نہیں تھی۔ جن سے روز واسطہ پڑتا تھا ان سے بھی وہ بلا ضرورت بات نہیں کرتی تھی۔ اسی مزاج کی وجہ سے دفتر میں وہ 'اینٹی سوشل' مشہور تھی۔

"لیکن یہ کیسے یہاں رہ سکتا ہے؟" اس کا حلیہ، انداز اور لہجہ اس محلے اور اس گھر میں بطور کرایہ دار رہنے والا نہیں تھا۔

"جانے کس کس کو جھیلنا ہوگا!" کپ میں بسکٹ ڈبوتے ہوئے اس نے اوپر دیکھا۔ تھا تو یہ اس کا ننھیال لیکن وہ اپنی خوشی سے یہاں نہیں آئی تھی۔

☆☆☆

فرحین لمبی چوڑی تقریر کے بعد چپ ہوئیں تو امید تھی کہ وہ سرد اور سپاٹ لہجے میں ہی سہی کہے گی ضرور کہ "ٹھیک ہے۔ جیسی آپ کی مرضی لیکن وہ سختی سے ہونٹ بھینچے بیٹھی رہی۔ انہوں نے تھکی تھکی سی لمبی سانس بھری اور کھڑی ہو گئیں۔

"تم جو فیصلہ کرو گی وہی ہوگا، تمہیں چھوڑ کر تو نہیں جا سکتی میں۔" کمرے سے جاتے ہوئے انہوں نے اضافہ کیا۔ ماں کا یہ بلیک میل اسے اچھا نہیں لگا مگر خاموش رہی۔

"اب جاؤ، آفس کو دیر ہو رہی ہے۔" کچھ لمحوں بعد دوسرے کمرے سے فرحین نے آواز لگائی۔

اس نے گہری سانس لے کر بیگ کاندھے پر ڈالا۔

"میں جا رہی ہوں، دروازہ بند کر لیں۔" اس نے لفٹ بلا کر انتظار نہیں کیا بلکہ زینے سے نیچے اتر گئی۔ سڑک پر آ کر رکشا روکنے کے بجائے اس نے سڑک کو پیروں تلے روندنے کا فیصلہ کیا تا کہ اس مشق کے دوران اندر کا جوار بھاٹا تھوڑا کم ہو اور سائٹ پر خوامخواہ کسی سے الجھے نہیں جو وہ ذاتی وجوہات کی بنا پر کبھی نہیں کرتی تھی۔

ابا کی وفات کو ایک سال ہونے کو تھا۔ عدت کے بعد سے ہی اس کے نانا نانی کا اصرار تھا کہ وہ دونوں ان کے ساتھ ان کے گھر آ کر رہیں۔ وہ اکلوتی اولاد تھی۔ دادی بچپن میں ہی جبکہ دادا پانچ سال پہلے فوت ہو چکے تھے۔ پھوپھو، چاچا سب اپنے اپنے گھروں میں مگن تھے۔ ان سے موقعوں پر ہی کبھار آنے جانے اتنے ہی تعلقات تھے جب کہ نانا، نانی ان دونوں کی طرح تنہا رہتے تھے۔ انہوں نے اوپر کے کمرے کرائے پر چڑھا رکھے تھے۔ جب سے ماموں نے کچھ سال پہلے بیوی بچوں کو اپنے پاس دبئی بلا لیا تھا نیچے کے تین کمرے اور ہال جو پہلے کم پڑتے تھے، اب ان کی ضرورت سے زیادہ تھے۔ ابا کی زندگی میں تو وہ انہیں اپنے ساتھ رہنے کی دعوت نہیں دے سکتے تھے مگر اب چاہتے تھے کہ بیٹی اور نواسی ان کے پاس آ کر رہیں۔ دونوں خالہ دوسرے شہروں میں تھیں۔

اس کے دل میں باپ کی طرح ہی نانا، نانی کے لیے بھی محبت تو دور کوئی مثبت اور اچھا جذبہ تک نہیں تھا۔ دل کے دورے سے باپ کی موت کے بعد اسے ان کے بغیر یہ گھر زیادہ اچھا اور پرسکون لگ رہا تھا۔ وہ خوش تھی کہ اب یہاں صرف وہ اور فرحین ہیں۔ اسے ان کی وفات کا افسوس یا دکھ نہیں تھا۔

ماں کو باپ کے ساتھ گھر تنہا چھوڑ کر دفتر جاتے ہوئے اس کا دھیان گھر میں ہی اٹکا رہتا تھا۔ وہ کئی بار فرحین کو فون کرتی تھی، پیغام بھیجتی رہتی تھی۔ ان کے ہوتے ہوئے اسے جو ایک دھڑکا لگا رہتا تھا۔ وہ ختم ہو گیا تھا۔ انہیں دیکھنے، سننے اور سہنے کا بوجھ زندگی سے چلا گیا تھا۔ اس کے بعد اس نے ماں کو چہرہ چھپاتے اور چھپ چھپ کے روتے نہیں دیکھا تھا۔

اس کے اختیار میں ہوتا تو وہ خود مختار ہونے کے بعد ماں کو لے کر الگ ہو جاتی، باپ کو اس فلیٹ میں تنہا چھوڑ دیتی لیکن یہاں فرحین درمیان میں آ گئی تھیں۔ اس نے ایک بار ہی ذکر چھیڑا تھا اور فرحین نے اسے اس سختی سے روکا اور منع کیا کہ پھر اس کی ہمت ہی نہیں ہوئی۔ ساری زندگی سہنے کے بعد وہ اب اس عمر میں اپنے اور بیٹی کے ماتھے پر کوئی داغ نہیں چاہتی تھیں۔

ان کے نزدیک عمر بھر کی ریاضت اس کی خواہش پر عمل کرنے سے صفر ہو جاتا تھی۔

جب فرحین نے اسے نانا نانی کا عندیہ اور ساتھ ہی اپنی بزرگ والدین کی خدمت کی خواہش بتائی تو مارے صدمے کے وہ کچھ بول ہی نہیں سکی۔

فرحین، نانا نانی کے لیے اس کے سرد رویے اور اس کے پیچھے کی وجہ سے بخوبی واقف تھیں۔ اس لیے اسے سوچنے کا وقت دے رہی تھیں لیکن پندرہ دن بعد بھی اس نے ہاں یا نہ کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ اس ذکر سے کترائی رہی تھی۔

اسی لیے آج فرحین نے اس سے دو ٹوک بات کی تھی۔ اپنی بھابھی نبیلہ سے فون پر بات کے بعد وہ اب اسے اس کی مرضی اور اس کے حال پر چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھیں۔ وہ سیدھی بات نہیں مان رہی

تھی تو انہوں نے بھی طریقہ بدل لیا تھا۔
وہ ایک انٹیریئر ڈیزائننگ فرم میں کام کرتی تھی۔ سائٹ پر کام آخری مراحل میں تھا، اس لیے وہ بے حد مصروف رہی تھی، اس کے باوجود کئی بار اس خیال نے ذہن پر دستک دی۔ ابتدائی صدمے کے بعد اب اسے فرحین کی مرضی اور خواہش بے چین کر رہی تھی۔
"وہ وہاں جانا چاہتی ہیں۔" اس خیال کو ذرا دیر سوچنے کی دیر تھی کہ دلیلیں خود بخود ہاتھ باندھے سامنے کھڑی ہو گئیں۔
"اس گھر میں کون سی اچھی یادیں ہیں ان کی، یہاں رہتا تو ان کے لیے اب بھی ٹارچر ہی ہے، وہاں بچپن لڑکپن کی یادیں ہیں، آس پڑوس میں جانے پہچانے لوگ ہیں، زندگی بھر یہاں فلیٹ میں بند رہی ہیں، اب وہاں کھلی فضا اور کشادہ مکان میں رہنا چاہتی ہیں اور آخر جیسے بھی ہیں، امی کو تو اپنے ماں باپ سے محبت ہے ناں، انہیں تو تب بھی ان کی ڈیمانڈ ایسی خاص غلط نہیں لگی تھی، میں تو کہیں بھی رہ لوں گی لیکن وہ شاید وہاں زیادہ خوش رہیں گی۔"
غیر ارادی طور پر وہ سامنے رکھے کاغذ پر پنسل چلا رہی تھی۔ اسے نہ گھر سے لگاؤ تھا نہ اس محلے سے انسیت تھی جہاں اب تک زندگی بسر کی تھی۔ ایک جگہ سے اٹھ کر دوسری جگہ جانا اس کے لیے مشکل نہیں تھا لیکن وہاں جو دو شکلیں موجود تھیں، اسے ان سے بیر تھا۔
"شناء میڈم!" اس کے ساتھ کام کر رہے انٹرن نے پکارا تو وہ چونکی۔ سامنے دھرے کاغذ پر لکیروں کا جال بن گیا تھا۔ اس نے ہاتھ ہٹا کر کاغذ پر دوسرا کورا کاغذ رکھ دیا۔
"کچن میں آپ نے جو لائٹس بدلنے کہا تھا، بدل دی ہیں، آپ دیکھ لیں ایک بار۔"
"چلو۔" وہ کھڑی ہو گئی۔
اس کا دل ساری دنیا میں صرف ماں کے لیے پگھلتا تھا، اب بھی پگھل گیا۔ شام میں واپس آ کر اس نے پھولے منہ کے ساتھ ماں کو رضامندی دے دی۔
اس کے ابا پل میں شعلہ، پل میں شبنم والا مزاج رکھتے تھے۔ کب ان کا مزاج بگڑ جائے، کوئی اندازہ لگا سکتا تھا نہ سمجھ سکتا تھا اور جب ان کا مزاج بگڑتا تو پھر وہ پڑھے لکھے شہری یا معاشرے کے معزز و مہذب بندے نہیں رہ جاتے تھے۔ وہ ایک گنوار، اجڈ، سی مرد بن جاتے اور زبان کے ساتھ ہی ان کے ہاتھ بھی چلنے لگتے تھے۔
گھر والوں کا ماننا تھا کہ بس کبھی کبھار غصے میں بے قابو ہی تو ہو جاتا ہے ورنہ آدمی بہت اچھا ہے۔ فرحین کے لیے سب کی نصیحت اور مشورہ یہی تھا کہ انہیں غصہ دلایا ہی نہ جائے۔
اور یہ کیسے ہو؟ فرحین کبھی سمجھ ہی نہیں سکیں کہ ان کا مزاج بگڑنے کا کوئی مخصوص محرک نہیں تھا، جس سے مقابل احتیاط برتتا۔ کوئی بٹن تھا جو اچانک دب جاتا اور پھر کسی چابی یا بیٹری والے کھلونے کی طرح ان کے ہاتھ چلنے لگتے تھے جو چابی یا بیٹری ختم ہونے پر ہی رکتے تھے۔
ساری عمر ان کی یہ عادت، یہ مزاج بدل نہیں سکا تھا۔
گھر میں دادا تھے جن کے لیے بیٹے کا مزاج معمولی بات تھی۔ وہ بہو کو ہی نصیحت کرتے نظر آتے۔ "جب تمہیں معلوم ہے تو ایسے کام کرتی ہی کیوں ہو کہ مار پڑے۔"
چچا اپنی دنیا میں مست تھے۔ دونوں پھوپھیوں نے بھی اس بات کو اہمیت ہی نہیں دی۔ ان کے نزدیک مرد ایسے ہی ہوتے ہیں حالانکہ ان کے شوہر ایسے نہیں تھے۔
اس کے نانا، نانی کے لیے داماد کا سلجھا اور بیٹی کا خیال رکھنے اور ضرورتیں پوری کرنے والا روپ کافی تھا۔ وہ کوئی تنگی نہیں کرتا تھا، کھانا، چھت اور کپڑا لتا دیتا تھا، گھمانے پھرانے بھی لے جاتا تھا تو بدلے میں بھی ذرا سا ہاتھ صاف کر بھی لے تو اس میں کوئی برائی نہیں تھی۔
وہ آس پاس کے لوگوں کے اس غیر سنجیدہ اور اندھے رویے کی سمجھ پاتی اس سے پہلے ہی اس کی آنکھوں کے سامنے ہوا ایک واقعہ اس پر اتنا گہرا اثر

چھوڑ گیا تھا کہ وہ اب تک اس منظر سے نکلی نہیں تھی اور اس حادثے کے بعد کی باتیں اور رویے اسے ساری دنیا کے انسانوں سے متنفر کر گئے تھے۔

اس کا باپ کے ساتھ کوئی جذباتی تعلق بن ہی نہیں سکا تھا۔ ابا کے نزدیک وہ فرماں بردار، سمجھی ہوئی، سمجھ دار بچی تھی، جس نے ان کے لیے کبھی کوئی پریشانی کھڑی نہیں کی تھی، سر جھکا کر بات سنتی اور جواب دیتی تھی، اسکول، محلہ، خاندان کبھی کہیں سے اس کی کوئی شکایت نہیں ملی تھی۔ انہیں اپنی نیک اولاد پر فخر تھا۔ ان کی پدرانہ شفقت کی گہرائی اتنی ہی تھی کہ وہ بیٹی کا رویہ سمجھ ہی نہیں پائے تھے۔

☆☆☆

اگلے ہفتے وہ دونوں اپنا بوریا بستر سمیٹ کر نانا کے گھر آ گئیں۔ فلیٹ کرایے پر دینا تھا، اس لیے تقریباً سارا سامان بھی منتقل کرنا پڑا۔ جن چیزوں کی نانا کے یہاں بھی ضرورت تھی نہ جگہ، اسے باندھ کر اسٹور میں رکھ دیا گیا تھا۔

وہ اپنے سامان سے بھرے بیگ لے کر کمرے میں گھسی تو شام تک باہر ہی نہیں نکلی۔ فرحین اسے کھانا بھی وہیں دے گئی تھیں۔ اس کی الماری اور میز کمرے میں رکھوا دی گئی تھی۔ وہ اپنے بیگ خالی کر کے چیزوں کو جگہ پر رکھ رہی تھی۔ اس کے پاس چھٹی کا ایک ہی دن ہوتا تھا، اس لیے انہوں نے اس کے باہر نکلنے یا سب کے ساتھ کھانے پر اصرار بھی نہیں کیا تھا۔

صبح اس نے نانا، نانی کو سلام کیا تھا۔ بس اس کے بعد نہ اس نے انہیں دیکھا نہ کوئی بات کی۔ اسے وہ بات بھولتی نہیں تھی جس نے اسے احساس دلایا تھا کہ اس کی وقعت تو باپ سے بھی گئی گزری ہے۔

☆☆☆

وہ نو بجے اپنے گھر سے نکلتی تھی۔ یہاں سے دفتر قریب تھا لیکن سائٹ جہاں اسے جانا تھا، وہ دور تھی اس لیے وہ نو بجے ہی جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ ہال میں نانا، نانی بیٹھے تھے۔ اس نے سپاٹ لہجے میں انہیں سلام کیا۔

''آج چھٹی کر لیتی بیٹا! کل تھک گئی ہو گی۔''

سلام کا جواب دے کر نانی نے کہا۔ اس نے ان کی بات ان سنی کر کے فرحین کو آواز لگائی۔

''امی! میں نکل رہی ہوں۔''

''یہ لے لو۔'' فرحین اس کا ٹفن لیے باورچی خانے سے برآمد ہوئیں۔

''جی۔'' اس نے ڈبہ لے کے لیپ ٹاپ بیگ کے اگلے خانے میں ڈال کر بیگ کاندھے پر لٹکایا۔

''اللہ حافظ۔'' اس نے پیچھے بیٹھے بزرگوں کو دیکھے بنا ماں سے کہا اور دروازے کی سمت بڑھ گئی۔

فرحین نے نادم سی نظر ماں باپ پر ڈالی۔ نانا نے خاموشی سے اخبار اٹھا لیا۔

''میں اوپر زبیدہ سے کہہ دوں، صہیب سے ہمارے لیے بھی گوشت منگوا دینا۔'' نانی نے اٹھتے ہوئے اوپر والے کرایے دار کا نام لیا۔

''چلیں، میں بھی مل لوں ان سے۔'' فرحین بھی ان کے ساتھ ہو لیں۔

کبھی انہیں بھی والدین سے بہت شکوے تھے، اپنی زندگی کی درماندگی کا سب سے بڑا سبب وہ لگتے تھے مگر وقت، اور عمر جیسے جیسے آگے بڑھتی ہے۔ شکوے دم توڑ جاتے ہیں، انسان درگزر سیکھ جاتا ہے، وسیع القلب ہو جاتا ہے، وہ بھی [illegible] تھیں۔

☆☆☆

تین مہینوں سے یہاں کام چل رہا تھا۔ آج وہاں آخری دن تھا۔ کلائنٹ کو کام بہت پسند آیا تھا اور انہوں نے ٹیم کی بڑی تعریفیں کی تھیں۔ خوشی کا دن تھا مگر اس پر کوفت سوار تھی۔ شام میں لوٹ کر پھر وہیں جانا ہے، یہ خیال اسے نہ خوش ہونے دے رہا تھا نہ سکون لینے دے رہا تھا۔

اس نے کبھی دوست نہیں بنائے تھے۔ صنف مخالف کی مخالفت تو جیسے اس کی فطرت بن گئی تھی مگر اس کی دوستی لڑکیوں سے بھی نہیں ہو سکی تھی۔ اسے ان کے منہ سے باپ، بھائی، دادا نانا کی تعریفیں یا باتیں برداشت نہیں ہوتی تھیں۔ اسے وہ سب جھوٹ لگتا

تھا، جو وہ اس کے مطابق اپنے گھر کا اچھا نقشہ کھینچنے کی کوشش میں بولتی تھیں۔ اسے یہ منافقت نہ کرنا آئی نہ کوئی اور کرنا پسند آیا۔

مغرب سے پہلے وہ گھر پہنچی تو صبح کے برعکس صحن میں گہما گہمی تھی۔

"یہ شاہ ہے میری بیٹی۔" اسے دیکھتے ہی فرحین نے تعارف کرایا۔

"اور یہ زبیدہ اوپر رہتی ہیں، یہ ان کی بیٹیاں عنایا اور دردانہ۔" ان تینوں کے ہاتھ میں ایک سے کپ تھے۔ ان تینوں کے علاوہ وہاں نانی اور فرحین کے ہاتھوں میں بھی چائے کے کپ تھے۔ اس نے سب کو ایک ساتھ سلام کیا۔

"تم بھی فریش ہو کے آجاؤ۔" نانی نے شفقت سے کہا۔

"یہ تو بالکل آپ کی کاپی ہیں آنٹی۔" عنایا نے سر سے پیر تک اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"آپ آفس میں بھی اسکول والا بیگ لے جاتی ہیں۔" رک کے بنا دوسرا جملہ حاضر تھا۔

"یہ لیپ ٹاپ بیگ ہے۔"

"واؤ! آپ کے پاس لیپ ٹاپ ہے۔" اسے دیکھ کر ہی لگ رہا تھا، وہ مسلسل بولتی رہے گی۔

"میں آتی ہوں۔" وہ سر ہلا کر اندر بڑھ گئی۔

کپڑے تبدیل کرنے کے بعد خوب وقت لگا کر اور مغرب کی نماز پڑھ کے باہر نکلی تو صحن خالی تھا۔ اس نے اپنے لیے چائے بنائی۔ ابھی نکال ہی رہی تھی کہ فرحین اندر آئیں۔ اس نے پوچھا۔

"کھانا کیا بنانا ہے بتا دیں، میں بناتی ہوں۔"

"میں بنا لوں گی، تم......"

"امی! شام کا کھانا میں ہی بناتی رہی ہوں، یہاں بھی ایسے ہی چلنے دیں۔"

فرحین نے بحث نہیں کی۔ وہ جانتی تھیں، وہ نانا نانی کے ساتھ بیٹھنے یا ان کی باتوں سے بچنے کے لیے سارا وقت پکانے میں گزارے گی۔

کھانا بنانے کے بعد وہ دبے قدموں چلتی کمرے میں آ گئی۔ دو بوڑھے گھر میں تھے، زیادہ شور شرابا نہیں ہوتا تھا۔ اکثر سناٹا ہی پھیلا ہوتا یا ٹی وی کی آواز گونجتی رہتی۔ نانا خبریں یا سیاسی نشریات دیکھتے جب کہ نانی سیریل اور ڈرامے۔ باہر گلی سے اور اوپر سے آوازیں آتی رہتی تھیں۔

کھانا لگانے کے بعد فرحین اسے بلانے آئی تھیں۔

"مجھے آواز دے لیتیں، آپ نے کیوں کیا؟" اس نے سجی سجائی میز دیکھ کر کہا۔

"ارے کچھ اپنی نانی کو بھی کرنے دو، ایسے تو تم دونوں اسے بالکل نکمی بنا دو گی۔" نانا کی آواز میں بشاشت تھی۔

"نکمی کیوں، آرام کروں گی اب الحمدللہ۔"

نانی کی بات پر فرحین مسکرائیں۔

"ہاں اماں! اب آپ مکمل آرام کریں، میں اور شاہ ہیں کام کے لیے۔" فرحین نے کرسی سنبھالتے ہوئے کہا۔ اپنے گھر میں وہ فرش پر دسترخوان بچھا کر کھانے کی عادی تھیں۔ اسے یہاں میز کرسی دیکھ کر پہلے حیرت ہوئی تھی پھر فرحین نے ہی بتایا کہ گھٹنوں اور کمر کی تکالیف کی وجہ سے ان دونوں کو فرش پر یا نیچے بیٹھنا منع ہے۔

"خبیب نہیں آیا اب تک؟" کھانا شروع کرنے سے پہلے نانا نے پوچھا۔

"آتا ہوگا، آج ہم نے جلدی شروع کر دیا ہے۔" نانی نے ان کی پلیٹ میں روٹی رکھی۔

"اوپر والے لڑکے کا کیا نام تھا اماں...... گوشت اچھا لایا تھا وہ۔" فرحین نے پوچھا۔

"مصہیب، وہ اچھا لاتا ہے، اسی لیے تو اس سے منگواتی ہوں، تمہارے ابا کو تو آج تک لینا نہ آیا۔"

وہ تینوں باتیں کر رہے تھے لیکن وہ اس طرح کھانا کھا رہی تھی جیسے کوئی اور موجود ہی نہ ہو۔ اس نے گلاس لبوں سے لگا کر گردن سیدھی کی اسی وقت سامنے دروازے سے وہ اندر آیا۔

"ناٹ فیئر انکل آنٹی، بیٹی اور نواسی کے آتے ہی مجھے بھول گئے آپ، میرا انتظار بھی نہیں کیا۔" اس نے

نانا کے سامنے والی کرسی سنبھالتے ہوئے شکایت کی۔

"پوچھو اپنی آنٹی سے، تمہیں یاد کیا تھا یا نہیں۔" نانا کے لہجے میں جھنکار تھی۔

ثناء نے خالی گلاس میز پر رکھا۔

"بیٹا! یہ تمہاری ممانی کے کزن ہیں، ضیب۔" اس کا وہاں سے جانے کا ارادہ بھانپ کر فرحین نے جلدی سے تعارف کروایا۔

"ہم مل چکے ہیں۔" وہ اسے دیکھتے ہوئے مسکرایا۔ ثناء کو یہ دروغ گوئی بڑی بری لگی۔ اتفاقاً ہوا ان کا سامنا ملاقات نہیں تھی بس۔

"اچھا کب؟" فرحین چونکیں۔

"فجر کے وقت۔"

"آں...... ثناء ایک بار جاگ جائے تو پھر سوتی نہیں ہے۔"

"ضیب کو بھی منہ اندھیرے دوڑنے کا شوق ہے۔" نانا نے بتایا۔

ضیب نے مسکرا کر اسے دیکھا کہ وہ کچھ کہے گی مگر وہ اپنی پلیٹ لے کر کھڑی ہوئی اور کوئی کچھ سمجھ پاتا یا کہتا، اس سے پہلے ہی باورچی خانے میں چلی گئی۔ جز بز سی فرحین نے بیٹی کی بداخلاقی کا اثر زائل کرنے کے لیے مسکرا کر ضیب کو مخاطب کیا جو خود بھی اس پذیرائی پر متعجب تھا۔

"اماں نے بتایا مجھے، تم چند دنوں کے لیے اوپر ٹھہرے ہو۔"

"جی گھر کا رینوویشن ہو رہا ہے، انکل کو پتا چلا تو انہوں نے یہیں روک لیا۔"

"اچھا کیا۔" فرحین نے خالی پلیٹ اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"ارے یہ کہاں مان رہا تھا، وہ تو میں نے ناراض ہونے کی دھمکی دی، نبیلہ کو فون کیا تب آیا یہاں۔" نانا کی بات پر فرحین مسکرا دیں۔ وہ بھی اپنی تنہائی سے تنگ تھے۔

وہ صبح آٹھ بجے گھر سے نکل جاتا تھا پھر واپس صرف رات گزارنے آتا۔ نانا، نانی چاہتے تھے، وہ ناشتہ بھی ان کے ساتھ کرے اور دوپہر کے کھانے پر بھی گھر آئے لیکن اس نے سہولت سے معذرت کر لی تھی کہ دن بھر کی مصروفیت اس کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ ہاں رات کا کھانا وہ ان کے ساتھ کھانے لگا تھا۔ کبھی کبھار نانا اسے ناشتے پر بھی روک لیتے تھے۔ اوپر کا کمرہ اس کے معیار کا نہیں تھا۔ وہ کسی اچھے ہوٹل میں رہ سکتا تھا یا چند ماہ کے لیے فلیٹ کرایے پر لے سکتا تھا لیکن اسے دل رکھنا اور دوسروں کو خوش کرنا اچھا لگتا تھا۔

☆☆☆

رات میں فرحین کمرے میں آئیں تب وہ لیپ ٹاپ کھولے کام کر رہی تھی۔

"کچھ دن لگیں گے پھر ایڈجسٹ ہو جاؤ گی تم۔" انہوں نے پلنگ پر بیٹھتے ہوئے نرمی سے کہا۔

"میں ایڈجسٹ ہو گئی ہوں امی۔" اس نے مصروف انداز میں جواب دیا۔

فرحین کا دل بجھ گیا۔ ان کی بیٹی مشین ہو کے رہ گئی تھی۔ احساسات اور جذبات جیسے تھے ہی نہیں اس میں۔ انسان ہوں، چیزیں یا جگہ اسے کسی سے لگاؤ اور انسیت نہیں ہوتی تھی۔ سونا، کھانا اور کام، یہ ہی اس کی زندگی تھی۔ دوستیاں، ملنا ملانا، گھومنا پھرنا، تفریح، ہلا گلا جیسی کوئی بات نہیں تھی اس میں۔ اس کا پورا وقت اور توانائی، توجہ اپنے کام پر خرچ ہوتی تھی۔

"ضیب والد کے انتقال کے بعد کچھ دن نبیلہ بھابھی کے گھر رہا ہے، وہ ان کے قریب ہے، اس وجہ سے پہلے سے گھر بھی آتا جاتا تھا۔ اس کے گھر میں کام چل رہا ہے، اس لیے کچھ دنوں کے لیے ادھر ٹھہرا ہے، تم اس کو لے کر ٹینشن مت لینا، کام ہوتے ہی چلا جائے گا۔"

"آپ فکر نہ کریں، مجھے کوئی ٹینشن نہیں ہے۔" اس کے ذہن میں صبح کا سامنا لہرایا۔

"یہاں سے آفس قریب ہے اور شہر کے سب حصوں سے کنیکٹیویٹی بھی اچھی ہے، ٹریولنگ کا وقت بچے گا میرا۔" اب وہ ماں کو اطمینان دلا رہی تھی۔

فرحین نے آگے جھک کر لیپ ٹاپ کی اسکرین کو

دیکھا۔
"کوئی نیا پروجیکٹ ہے؟" وہ جانتی تھیں جہاں کام جاری تھا، وہ مکمل ہوگیا ہے۔
"ابھی نیا کچھ اسائن نہیں ہوا ہے، یہ جہاں کام مکمل ہوا اس کی تصویریں ہیں، اچھی والی سیو کر رہی ہوں، کلائنٹس کو دکھانے کام کے آتی ہیں۔"
اس نے اسکرین ماں کی طرف کی۔ وہ اپنے کام کے متعلق گھنٹوں بول سکتی تھی۔
"دیکھیں، یہ وال یونٹ، اس میں ہم نے......"

☆☆☆

اگلے دن فجر کے بعد اپنے لیے چائے بنا کر وہ ہال کی کھڑکی سے اسے جاتے ہوئے دیکھنے کے بعد باہر آئی تھی۔ نیچے اترتے ہوئے خُبیب کی نگاہیں اطراف میں شاید اسے ہی تلاش کر رہی تھیں لیکن وہ رکا نہیں تھا۔
اس شام، رات کا کھانا، بھوک لگی ہے۔" کہہ کر اس نے پہلے ہی کھا لیا تھا۔ فرحین کو اس بھوک کی وجہ کا علم تھا۔ وہ ایک فکرمند ماں تھیں لیکن پرامید بھی تھیں۔
نئی جگہ، نئے چہروں کے درمیان رہ کر شاید اس کی زندگی پر چھایا جمود دور ہو، یہ سوچ ہی انہیں یہاں لائی تھی۔
شادی کے لیے اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔ وہ ساری عمر یونہی رہنا چاہتی تھی اور ظاہر تھا فرحین جلد سے جلد اس کی زندگی میں ایک محبت، احترام اور فکر کرنے والا شخص دیکھنا چاہتی تھیں۔ جس کا ساتھ اسے زندگی کے رنگوں اور رعنائیوں سے آشنا کرانے والا ہوگا۔ اوپر کرایے داروں سے کچھ رونق تھی، یہ محلہ ان کی قلیٹوں والی عمارت سے مختلف تھا۔ یہاں ہمہ وقت گہما گہمی اور ہل چل رہتی تھی۔ انہیں امید تھی کہ ان سب کا اس پر اچھا اثر ہوگا۔
وہ آج پھر ہال کی کھڑکی میں کھڑی اس کے جانے کا انتظار کر رہی تھی۔ زیادہ دیر ہوئی تو اس نے دیوار پر ٹنگی گھڑی میں وقت دیکھا۔ اسے اب تک چلے جانا چاہیے تھا۔

"کیا پتا آج جاگنگ کی چھٹی ہوتی ہو۔"
وہ باہر نکلنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ زینوں پر آہٹ اور آوازیں ابھریں۔ اس نے آگے آ کر اور تھوڑا خم ہو کر اوپر دیکھا۔ عنایہ اور دردانہ نے نیم بے ہوش سی زبیدہ کو دونوں طرف سے پکڑ رکھا تھا۔ وہ اسے زینے سے نیچے لے کر اترنے کی کوشش کر رہی تھیں لیکن زبیدہ کے بے جان لٹکتے ہاتھ پیر دیکھتے ہوئے یہ ناممکن لگ رہا تھا۔ ممکن تھا کہ ایسا کرنے کی سعی میں وہ تینوں زینے سے سیدھا نیچے پہنچ جاتیں۔ اسے دور کھڑے ہو کر تماشا دیکھنے والوں سے نفرت تھی۔ کپ کھڑکی میں رکھ کر وہ دروازہ کھول کر باہر آئی۔
"اس طرح آپ آنٹی کو نیچے نہیں لے جا سکتیں، ہٹیں......" پلک جھپکتے ہی وہ زبیدہ کو بازوؤں میں اٹھائے نیچے اترا تھا۔ ثناء نے تیزی سے آگے جا کر گیٹ کھولا۔
"تھینک یو، کار کا دروازہ بھی کھول دیں۔۔۔" اس نے انگلیوں کے بیچ پھنسی چابی کی طرف اشارہ کیا۔ ثناء نے چابی لی اور اس سے پہلے گیٹ سے باہر نکل کر بٹن پش کیا۔ ہلکی سی آواز کے ساتھ کار ان لاک ہوگئی۔ وہ دروازہ کھولتی اس سے پہلے پیچھے سے آ کر عنایا نے دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ گئی۔ خُبیب نے زبیدہ کو اندر لٹایا تو عنایا نے ماں کا سر گود میں رکھ لیا۔ خُبیب نے آگے بیٹھ کر کار گاڑی اسٹارٹ کی، دردانہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا پھر اگلی نشست پر بیٹھ گئی۔ گاڑی اس کے بیٹھتے ہی آگے بڑھ گئی۔ سب کچھ بڑی تیزی سے ہوا تھا۔
"جانے کیا ہوا ہوگا؟ شاید بے ہوش ہوئی ہیں۔" وہ پرسوچ سی اندر آ گئی۔ تبھی صہیب تیزی سے نیچے اترا۔
"وہ لوگ چلے گئے ہیں۔" اس کی حیران شکل دیکھتے ہوئے ثناء نے کہا۔
"مجھے ان کی فائل نہیں مل رہی تھی۔"
"کیا ہوا ہے آنٹی کو؟"
"ان کا بی پی یا شوگر بہت لو ہو جائے تو ایسا ہوتا

ہے، مجھے پیدل یا رکشا سے جانا پڑے گا۔" وہ بھی باہر نکل گیا۔ ثناء گیٹ بند کر کے ہال میں آ گئی۔ عنایہ اور دردانہ کو دیکھ کر ہی لگ رہا تھا کہ یہ ان کے لیے اچانک آئی افتاد نہیں تھی۔ وہ اس کی عادی تھیں یا کم سے کم یہ غیر متوقع نہیں تھا۔ چائے ٹھنڈی ہو گئی تھی۔ وہ گرم کرنے پھر باورچی خانے میں چلی آئی۔

اس کے بعد وہ ہال میں ہی ادھر ادھر کرتی رہی کہ آنے والا نظر آئے تو وہ اس سے احوال پوچھے۔ شعیب آدھا گھنٹہ بعد واپس آیا اور سیدھا اوپر چلا گیا۔ ویسے بھی وہ اس سے بات کرنے سے تو رہی۔ کچھ دیر مزید انتظار کرنے کے بعد وہ کمرے میں چلی گئی تھی۔

نو بجے کے قریب وہ باورچی خانے میں تھی جب شعیب کی آواز سنائی دی۔

"صبح زبیدہ آنٹی بے ہوش ہو گئی تھیں، انہیں سٹی سینٹر ہاسپٹل میں ایڈمٹ کیا ہے، ڈاکٹر کہہ رہا تھا، ڈرپ ختم ہونے کے بعد وہ گھر جا سکتی ہیں، میں واپس آ گیا تھا، بچے تھے ان کے پاس۔"

"اچھا، بہت دنوں سے ایسا کچھ نہیں ہوا تو میں سمجھی تھی اچھی ہو گئی اب زبیدہ۔" نانی نے آہ بھری۔

آ گئی واپس؟

"ابھی تک تو نہیں آئی ہیں۔"

"پہلے تو کبھی ہاسپٹل لے جانے کی نوبت نہیں آئی، کیا زیادہ سیریس ہو گئی تھی؟"

"پہلے کا تو مجھے علم نہیں آنٹی! لیکن صبح آوازیں سنیں تو دستک دے کر ماجرا پوچھا، صہیب نے بتایا، اتنی دیر بھی بے ہوش نہیں رہتیں کچھ دیر بعد ہوش میں آ جاتی تھیں، یہ غیر معمولی تھا تو مجھے ہاسپٹل لے جانا مناسب لگا۔"

"اچھا کیا۔" نانا نے کہا۔

"اب آ گئے ہو تو ناشتہ کر کے جاؤ۔"

"نہیں انکل! میں......"

"آج آفس تو نہیں جانا ہوگا تمہارا، اس لیے بیٹھو آرام سے۔ ہمارا بھی ناشتہ باقی ہے، ساتھ کرتے ہیں۔" فرحین اٹھ کر اس کے پاس آئیں۔

وہ اندر پراٹھے بنا رہی تھی۔

"آپ میز لگائیں امی، ناشتہ ریڈی ہے۔" اندر وہ سن چکی تھی۔

سب کے ساتھ اسے بھی میز پر بیٹھنا چاہیے تھا لیکن وہ نہیں گئی۔

"جن کی اتنی محنت ہے، انہیں بھی بلا لیں۔" شروع کرنے سے پہلے شعیب نے باورچی خانے کی سمت اشارہ کر کے کہا۔ نانا نے اسے آواز دی۔

"آ جاؤ ثناء بیٹا تم بھی۔"

"وہ اتوار کو دیر سے کرتی ہے ابا! آپ شروع کریں۔" فرحین نے بہانہ بنایا تھا۔

شعیب نے سامنے دیکھا جہاں باورچی خانے کے دروازے میں ادھر ادھر، آتے جاتے ہوئے اس کا دوپٹا لہرا رہا تھا۔ وہ اس کے جانے سے پہلے وہاں سے نکل کر جا بھی نہیں سکتی تھی اور گرمی اچھی خاصی تھی۔ شعیب کو ناشتہ ختم کرنے میں چند منٹ ہی لگے تھے۔

دوپہر میں، جب سب اپنے کمروں میں تھے اس وقت وہ لیپ ٹاپ لے کر ہال میں آ بیٹھی۔ نئے کلائنٹ کو یوزر فرینڈلی اور فرنیچر چاہیے تھا۔ مکان اور کمروں کی پیمائش کے مطابق وہ سافٹ ویئر پر کمرے بنانے کے بعد ان کمروں میں، فرنیچر کا ڈیزائن بنانے والی تھی۔ وہ کام میں اس قدر منہمک تھی کہ عنایہ کی آواز پر ڈر گئی۔

"کیا کر رہی ہیں آپ؟" وہ جانے کب آ کر اس کے پاس بیٹھ گئی تھی۔

"کام۔" اس نے سنبھل کر جواب دیا۔

"وہ تو دکھ رہا ہے لیکن کون سا کام؟"

"تمہاری امی کیسی ہیں؟" اسے یکایک یاد آیا۔

"اچھی ہیں، ان کا بی پی بہت لو ہو گیا تھا۔ آپ نے بتایا نہیں کون سا کام؟"

"آفس کا کام ہے، ایک کلائنٹ کے لیے سیمپل پریزنٹیشن ریڈی کر رہی ہوں۔" عنایہ کو اسکرین پر کھلے آٹو کیڈ سافٹ ویئر میں کچھ پلے نہیں

پڑ رہا تھا۔
"آپ کام کیا کرتی ہیں؟" اس کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔
"انٹیریئر ڈیزائنر ہوں۔"
"آپ کی شادی کیوں نہیں ہوئی اب تک؟ اتنی بڑی تو لگتی ہیں آپ؟" ایک اجنبی اور سولہ سترہ سال کی لڑکی سے اسے اس سوال کی امید نہیں تھی۔
"لڑکی چھوٹی ہو، یا بڑی یا عورت ہو، اس سے یہ سوال کسی کو نہیں کرنا چاہیے۔"
"کیوں نہیں کرنا چاہیے؟"
"یہ اس کا ذاتی معاملہ ہوتا ہے جس میں اجنبیوں کو مداخلت حق نہیں۔"
"تجسس تو اجنبیوں کو ہی ہوتا ہے نا، پھر رہا نہیں جاتا۔" جیسا اس کا مزاج تھا۔ ویسا ہی اس کا انداز بھی لاپروا اور لاابالی! صبح ماں اسپتال کا چکر لگا کر لوٹی تھی مگر اس وقت، اس پر اس کا کوئی اثر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔
"ویسے آپ کی ایج کیا ہے؟" آج تک کسی نے اس کی عمر نہیں پوچھی تھی۔
"تم، تم پڑھتی ہو؟" اسے اس موضوع سے ہٹانے کے لیے اس نے خلاف عادت اس سے سوال کیا۔
"ہاں، فرسٹ ایئر میں ہوں۔ آپ نے کیا پڑھا تھا ڈیزائنر بننے کے لیے؟"
"گریجویشن کیا تھا۔"
"اچھا، گریجویشن یعنی بی اے؟ وہ تو لینگویجز، تاریخ جغرافیہ یا پھر نفسیات میں ہوتا ہے نا؟" اب وہ بے تکلفی سے اس سے کیریئر کاؤنسلنگ لے رہی تھی۔
وہ بہت باتونی تھی۔ اسی نے بتایا کہ اس کے ابا کا تبادلہ کسی دوسرے شہر میں ہوا ہے اور اسکول کالج کی وجہ سے وہ ان کے ساتھ نہیں جا سکے، وہ آٹھ ماہ پہلے وہاں آئے ہیں، اوپر چار کمرے ہیں جس میں تین ان کے تصرف میں ہیں اور ایک کمرے میں پچھلے چند ہفتوں سے خبیب رہ رہا ہے۔ وہ سارا دن حتیٰ کہ چھٹی والے دن بھی باہر رہتا ہے بس رات بسر کرنے آتا ہے۔ اس سے بڑی بہن فائنل ایئر میں ہے اور چھوٹا بھائی جونیئر کالج میں تھا۔ جب وہ اس سے اسکرین پر نظر آرہی، چیزوں کے بارے میں زیادہ سوال کرنے لگی تو اس کا صبر ختم ہو گیا۔
"مجھے اکیلے اور خاموشی میں کام کرنے کی عادت ہے۔"
"آپ صرف بڑی ہی نہیں روڈ بھی ہیں۔" اس نے منہ بنایا۔
"سنڈے کو تو گھر میں بھی کام نہیں کرنا چاہیے، یہ چھٹی کا دن ہوتا ہے آرام کے لیے۔ ویسے کس وقت فری ہوتی ہیں آپ؟ وردانہ فون میں چپکی ہے اور صہیب گھر میں ہے نہیں، سیٹ ٹاپ باکس خراب ہوا پڑا ہے، اس لیے نیچے آئی میں اور آپ مجھے بھگا رہی ہیں، بے مروت ہیں بہت آپ، آپ کی امی تو اتنی کیوٹ اور معصوم ہیں، آپ کس پر گئی ہیں؟"
ثناء کا منہ کھلا رہ گیا۔ پہلی بار کوئی اسے یوں سنا گیا تھا۔
"آپ کریں کام۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ثناء نے شکر کا سانس بھرا لیکن وہ ادھورا رہ گیا۔ اس نے تپائی سے ریموٹ اٹھایا۔ اور بولی
"میں ٹی وی دیکھتی ہوں۔"
☆☆☆
آج اسے دفتر سے نکلنے میں دیر ہو گئی تھی۔ گھر پہنچتے پہنچتے دس بج گئے تھے۔ ہال میں داخل ہوئی تو سب کے ساتھ، خبیب کو بھی بیٹھے دیکھ کر جز بز ہو گئی۔ یقیناً وہ سب کھانے کے لیے اس کا انتظار کر رہے تھے۔
"آج تو بہت دیر کر دی بیٹا۔" نانی نے تھکی تھکی نواسی کو دیکھا۔
"ہاں اماں! زیادہ ہی لیٹ ہو گئی ہے۔ تم فریش ہو کر آجاؤ، میں کھانا لگاتی ہوں۔" چند پل کے توقف میں بھی جب اس نے نانی کو کوئی جواب نہیں دیا تو فرحین نے کہا۔
اس وقت بھوک کی شدت، بہانا بنا کر کمرے میں بند ہونے سے روک رہی تھی۔ وہ کمرے سے

منہ ہاتھ دھو کر ہی واپس آگئی۔ نانا کے ساتھ صوفے پر بیٹھے خُبیب نے بغور اس کا جائزہ لیا۔

وہ فرحین کے ساتھ کھانا لگا رہی تھی۔ گہرے سبز کاٹن کے بلاک پرنٹ والے ڈریس میں، وہ اس وقت بھی دفتر والے فارمل حلیے میں تھی۔ سنہری چوڑے کنارے والا دوپٹا شانوں پر پھیلا تھا، کلائی پر گھڑی، دوسری کلائی میں پتلی سی دو سونے کی چوڑیاں، فولڈ کر کے گردن پر بندھے بال، کان میں چھوٹے سے بندے، گلے میں سونے کی چین۔ آنکھیں کاجل سے خالی تھیں اور ہونٹوں پر لائٹ براؤن شیڈ کے ہلکے سے آثار بچے تھے۔

''آجائیں۔'' فرحین نے آواز دی تو اس کا ارتکاز ٹوٹا۔ خُبیب نے نانا کو اٹھنے میں مدد دی اور ان کا ہاتھ تھامے انہیں میز تک لا کر کرسی پر بٹھایا۔ وہ سب سے آخر میں فرحین کے بغل والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ میز پانچ افراد کے لیے، ناکافی تھی لیکن وہ سب کسی طرح اسے سازگار بنائے ہوئے تھے۔

''تمہیں پتا ہے خُبیب شاہ! یہی وہی کام کرتی ہے، گھر سجانے کا، تم نے اس کی کمپنی کو ہی ٹھیکا دے دیا ہوتا۔'' خُبیب کی موجودگی میں نانا چپ نہیں رہ رہے تھے۔

''جی آپی نے بتایا تھا۔'' اسے بڑا عجیب لگتا تھا جب وہ فرحین کو آنٹی یا خالہ چاچی کے بجائے آپی کہتا۔ ابھی جانے یہ آپی فرحین تھیں یا نبیلہ ممانی۔

''لیکن میں پہلے ہی کانٹریکٹ دے چکا تھا، انٹیریر کا تو چند دن پہلے ہی دیا ہے۔''

''کوئی بات نہیں۔'' نانی نے یوں تسلی دی جیسے ان دونوں کو اس کا بڑا افسوس اور صدمہ ہو۔

''آپی! آپ کی روٹی بہت سافٹ ہوتی ہے، آنٹی کی ماسی روٹی نہیں یا پڑ بناتی تھی۔'' اس نے شکر ادا کیا، آج کھانا فرحین نے بنایا تھا ورنہ امی اس سے اس تحسین و آفرین پر شکریہ ضرور کہلواتیں۔ ان دونوں کے آنے سے پہلے صفائی والی ماسی ہی روٹی بناتی تھی۔ باقی کھانا نانی پکاتی تھیں۔

''تمہاری ماسی کیسی روٹی بناتی ہے؟'' نانی نے دریافت کیا۔

''وہ روٹی نہیں بناتی۔'' اس نے ہنس کے کہا۔

''کیوں؟ تم کھاتے نہیں یا خود بناتے ہو؟''

''صبح ناشتے میں ضرورت نہیں ہوتی، لنچ آفس میں ہوتا ہے اور رات کے لیے وہ چاول کے ساتھ سبزی، دال یا گوشت بنا کر جاتی ہے۔''

''کب تک ایسی زندگی گزارو گے؟'' نانا کی بات پر وہ جو مزید چاول پلیٹ میں ڈالنے لگی تھی، رک گئی۔ اس کی چھٹی حس، اشارے دے رہی تھی کہ گفتگو کس سمت جا رہی ہے۔ وہ ہاتھ کھینچ کر ایک دم کھڑی ہوگئی۔

''اتنی جلدی؟'' فرحین نے حیرت سے کہا۔

''ٹھیک سے کھانا تو کھالو۔''

''ہوگیا۔'' وہ اپنی پلیٹ لیے اندر چلی گئی۔

اس کے متعلق جو کسی نے بتایا نہیں تھا وہ اب اسے معلوم ہو گیا تھا کہ وہ شادی شدہ نہیں ہے اور اسے اپنے سامنے کسی اور کی شادی کا ذکر بھی اچھا نہیں لگتا تھا۔

سب کے سو جانے کے بعد وہ پیٹ بھر کر کھانا کھا کے سوئی تھی۔

☆☆☆

اسے نئی سائٹ پر کلائنٹ سے ملنا تھا۔ اس نے دستیاب معلومات کی بنا پر، اپنے طور پر تھری ڈی ڈیزائن بنا لیا تھا لیکن وہ کلائنٹ کی زبانی اس کا 'وژن' سننا چاہتی تھی۔ عموماً ایسے وقت میں گھر کے سب ہی فرد موجود ہوں تو کسی ایک نکتے پر اتفاق مشکل ہوتا تھا۔ وہ دعا کر رہی تھی کہ صرف میاں بیوی ہی موجود ہوں۔

وہ رو ہاؤسز کی ایک مختصر سی کالونی تھی۔ دونوں جانب قطاروں میں، پانچ چھوٹے چھوٹے بنگلے تھے۔ جن کے آگے پارکنگ اور مختصر سا لان بھی دیا گیا تھا۔ ہر بنگلے کی پارکنگ اور لان کے بیچ دیوار تھی لیکن ان بنگلوں کے گیٹ علیحدہ نہیں تھے۔ بنگلوں کے درمیان پکی سڑک تھی، جس کے اختتام پر کالونی کا داخلی گیٹ تھا۔ جہاں اسے کام کرنا تھا، وہ لان ہرا بھرا اور وقتی

دیکھ بھال کی گواہی دے رہا تھا۔ اس کے کلائنٹ نے بنگلہ خرید کر۔ اس میں اپنی سہولت اور پسند کے مطابق کچھ تبدیلیاں کی تھیں۔ باورچی خانے، ہال اور ڈائننگ ایریا کے بیچ کا دروازہ نکال دیا تھا، ہال اور ماسٹر بیڈ روم جو اوپر تھا، اس کی عام کھڑکیوں کو فرنچ ونڈوز میں تبدیل کیا گیا تھا، باورچی خانے میں ایک آئی لینڈ کاؤنٹر کا اضافہ تھا، ایسے کئی چھوٹے موٹے سول کام کے ساتھ، رنگ و روغن کا کام تھا جو کسی اور فرم نے کیا تھا ورنہ تو اکثر سول اور فرنشنگ دونوں کام اسی کی فرم کرتی تھی مگر یہاں انہیں صرف فرنیچر اور ڈیکوریشن کا کام ملا تھا۔ ایک بڑھئی اور انٹرن بھی اس کے ساتھ تھے۔ مالک مکان اندر فون پر مصروف تھا اور وہ ہال میں اس کا انتظار کر رہے تھے۔

''آپ سب کو انتظار کروانے کے لیے معذرت۔'' استقبالیہ جوش سے پُر ہودستانہ آواز کانوں میں پڑی تو اس نے سر اٹھایا اور اس اتفاق پر حیران رہ گئی۔

''اوہ!'' شعیب کی زبان سے بھی بے ساختہ پھسلا تھا۔

''کیا اتفاق ہے!'' اس نے انگریزی میں کہا۔

وہ نہیں چاہتی تھی باقی موجود افراد ان کی شناسائی سے باخبر ہوں، اس لیے پیشہ ورانہ انداز اور اخلاق نبھاتے ہوئے سیدھے کام کی بات شروع کی۔

''گڈ مارننگ سر، میں ثناء وحید آپ کے گھر کے انٹیریئر ورک کی انچارج اور ڈیزائنر ہوں۔''

''گڈ مارننگ......'' اس کا محتاط رویہ دیکھ کر، شعیب نے بھی رسمی جملوں سے بات شروع کی۔

پھر دونوں نے ہی کام کے علاوہ کوئی اور ذکر نہیں چھیڑا۔ بڑی دیر تک سارا گھر گھوم گھوم کر دیکھنے اور ساتھ ہی اس کا نظریہ اور تصور سننے کے ساتھ ساتھ وہ اہم باتیں نوٹ بھی کرتی جا رہی تھی۔

''مجھے ایک وارم، ویلکمنگ اینڈ کمفرٹیبل گھر چاہیے، ایسا جو گھر لگے فائیو اسٹار ہوٹل نہیں، فرنشنگ ایسی نہ ہو کہ اس لگژری کو استعمال کرتے ہوئے خراب، داغ دار یا بگڑ جانے کے ڈر سے بندہ انجوائے بھی نہ کر سکے۔ سب کچھ ایزی اور یوزر فرینڈلی ہونا چاہیے۔'' اس نے اپنی بات کا اختتام ان جملوں سے کیا تھا۔

''بہتر۔ کچھ چیزوں کی شاپنگ اور سلیکشن کے لیے آپ کو ساتھ چلنا ہوگا، آپ کس دن اور کس وقت اویلیبل ہوں گے بتا دیجیے۔''

''ویک اینڈز پر ایٹی ٹائم۔''

''فائن۔''

''آپ کے پاس ڈیزائنز یا کچھ آئیڈیاز ہیں تو پلیز وہ بھی شیئر کریں، جیسے کسی میگزین یا اخبار کی کٹنگ وغیرہ۔'' اکثر لوگوں کو ان تصاویر جیسا ہی سب کچھ چاہیے ہوتا تھا۔

''نہیں، ایسا کچھ نہیں۔''

''میں نے آپ کو کچھ ڈیزائنز ای میل کیے ہیں، وہ فائنل نہیں ہیں۔ آپ چیک کرلیں اور اس میں جو ڈسکس یا چینج کرنا چاہیں، کل بتا دیجیے گا۔''

''اوکے۔''

''آج یہ ماسٹر جی سامان خرید کر رکھ جائیں گے یہاں اور کل سے کام شروع ہو جائے گا۔''

''اوکے۔'' اس نے مکان کی ایک چابی انہیں دی اور چلا گیا۔

اسے تو یہ بھی علم نہیں تھا کہ وہ کام کیا کرتا ہے۔ گھر کے باہر اس کی سفید گاڑی وہ روز دیکھتی تھی۔ یہ مکان اور اس کا بجٹ بتا رہا تھا، وہ معاشی طور پر مستحکم ہے۔ جہاں تک اسے یاد تھا، نبیلہ ممانی کا خاندان بھی سفید پوش ہی تھا اور اس نے کبھی ان کے کسی امیر کبیر، رشتے دار کا ذکر نہیں سنا تھا۔

شام کو گھر لوٹتے ہوئے اسے نئے خیال نے گھیرا۔

''وہ کام گھر میں ڈسکس کرنے لگا تو؟ امی اور باقی سب کو بھی علم ہو ہی جائے گا اور وہ خود نہیں تو یہ لوگ ضرور ہی چھیڑیں گے کھانے پر یہ باتیں۔'' اس پر ابھی سے الجھن اور کوفت سوار ہونے لگی۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے اس کے نمبر پر پیغام بھیجا۔

"آپ کے گھر کا کام میں کررہی ہوں، یہ گھر میں کسی کو معلوم نہ ہو۔"

اس نے یہ کسی بھی ابتدائی تمہید یا سلام کے بنا لکھا تھا۔ آج ہی ان کے درمیان نمبروں کا تبادلہ ہوا تھا۔

"اوکے۔" ادھر سے جواب میں دو حروف بھیجے گئے۔ وہ مطمئن ہوگئی تھی۔

☆☆☆

اسے دیکھ کر خضیب دروازے میں ہی رک گیا۔ اس کا شفون کا سرمئی اور بلیو دوپٹا فرش پر پھیلا تھا۔ وہ بڑے انہماک سے لیپ ٹاپ پر نگاہیں جمائے، ٹچ پیڈ پر انگلی ادھر ادھر کررہی تھی۔ کچھ دیر اسے یوں کام میں گم دیکھنے کے بعد، وہ اندر جانے کا ارادہ بدل کر پلٹ گیا۔ اس کی سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اس کے سرد اور روکھے برتاؤ کی وجہ وہ کس سے پوچھے۔ وہ پورچ میں کھڑا سوچ میں غرق تھا کہ اندر سے اس کی آواز آئی۔

"سر کہاں ہیں؟" وہ اندر چلا آیا۔

وہ جو کاریگر کا جواب سن کر باہر آرہی تھی، اسے دیکھ کر رک گئی۔

"مختلف کلر اسکیم میں یہ ڈرائنگ روم کیسا نظر آئے گا، وہ دیکھ لیجیے۔" اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی تاکہ لیپ ٹاپ کہیں رکھ کر اسے دکھائے۔ خضیب نے آگے آکر اس کے ہاتھ سے لیپ ٹاپ لے لیا۔ فرنیچر کے بعد یہ ماڈلز اس نے پردے، صوفہ اور کشن وغیرہ کے لیے بنائے تھے۔

"ان میں کوئی پسند آئے تو شارٹ لسٹ یا فائنل کرلیں، یا آپ کچھ چینج کرنا چاہیں یا کوئی نیا آئیڈیا ہو تو بتائیں۔" وہ اپنے کام میں نہایت سنجیدہ اور ماہر تھی۔ محنت سے جان نہیں چراتی تھی اور انداز بالکل پیشہ ورانہ تھا۔

خضیب نے تسلی اور بڑی تفصیل سے سب دیکھا اور اس سے دنیا کے سوال کیے۔ اس نے بڑے سلجھے اور نرم انداز میں سارے سوالوں کے جواب دیے۔ وہ اپنی فرم میں سینیئر پوسٹ پر، ایسے ہی نہیں پہنچ گئی تھی کہ اسے اس کی ایک الگ ٹیم دی گئی تھی۔

"آپ کی رائے میں کون سا کمبی نیشن سب سے سوبر اور ایلیگینٹ ہے؟"

"کریم اینڈ چارکول گرے۔" کلائنٹ نے اس کی پروفیشنل رائے پوچھی تھی جو اس نے ایمان داری سے دی۔ اس نے ماڈل ڈیزائن میں شیڈز بہت خوب صورت استعمال کیے تھے، جو واقعی اس امتزاج کو دلکش بنا رہے تھے۔

"یہی فائنل کرلیں۔" اس نے لیپ ٹاپ اسے واپس تھمایا۔

"اوکے۔" وہ لیپ ٹاپ لیے وہاں سے ہٹ گئی۔

اسے مزید وہاں کچھ کام نہیں تھا، لہٰذا وہ بڑھئی اور اس کے کاریگروں کو ہدایت دے کر، گھر کے لیے نکل گئی۔ رو ہاؤسز کے داخلی گیٹ سے باہر نکل کر ابھی کچھ دور ہی چلی تھی کہ ٹھٹک کر رک گئی۔ کچھ فاصلے پر وہ آدم و حوا حلیے سے غریب اور مزدور طبقے کے لگ رہے تھے۔ پرانی بے رنگ میلی سی ساڑھی اور بکھرے بالوں میں عورت۔ بمشکل کمر پر ٹکی ڈھیلی گھسی پٹی جینز اور چست ٹی شرٹ، گرد آلود الجھے بالوں والے مرد کے بیچ، مارا ماری میں گالیوں کے تبادلے کے ساتھ لڑائی پورے عروج پر تھی۔ آس پاس کچھ لوگ رک کر تماشا دیکھ رہے تھے، جن کے پاس رکنے کا وقت نہیں تھا، وہ مڑ مڑ کر دیکھتے جا رہے تھے۔ وہ سارے ہی اس منظر کے مزے لے رہے تھے، ہنس رہے تھے۔ برابری کا مقابلہ تھا، نہ مرد حاوی تھا نہ عورت کہیں دبتی نظر آرہی تھی۔ وہ اسے بالوں سے پکڑنے کی کوشش کررہا تھا، مگر وہ ہر بار اسے ہاتھ جھٹک کر دور کررہی تھی۔ شاید یہ آزادی بھی ایک مخصوص طبقے کی عورت کو حاصل ہوتی ہے کہ وہاں عزت، بھرم اور مان کی اتنی اہمیت نہیں ہوتی جس کے لیے خاموشی سے ظلم سہنا ضروری ہو، "کوئی دیکھ لے گا، لوگ کیا کہیں گے" جیسے ڈر نہیں ہوتے۔

آدمی منہ سے جھاگ اڑاتا کچھ کہتا، عورت پر جھپٹا ہی تھا کہ وہ ایک طرف ہوگئی۔ مرد نے بمشکل خود کو گرنے سے سنبھالا۔ تب اس کی سمجھ میں آیا کہ مرد نشے

میں ہے۔ آس پاس کھڑے لوگ زور زور سے ہنسنے لگے تھے۔ عورت نے اس کی پیٹھ پر مذور سے ہاتھ مارا اور اسے گھر چلنے کو کہا۔ مراٹھی میں ان کی زبان سے نکل رہے دشنام سن کر، اس کے کانوں سے دھواں نکلنے لگا تھا مگر وہ رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

"حیرت ہے۔" قریب سے خضیب کی آواز آئی تو وہ چونکی۔ "آپ بھی ایسے شو انجوائے کرتی ہیں۔" یہاں اس کا عملہ نہیں تھا جو وہ احتیاط کرتا۔

"اس میں انجوائے کرنے والی کوئی بات نہیں ہے۔" وہ اپنے سرد انداز میں کہتی آگے بڑھنے لگی تھی کہ وہ بھی ہم قدم ہوا۔

"میں بھی گھر جارہا ہوں، ساتھ چلتے ہیں۔"

"شکریہ، لیکن مجھے لفٹ نہیں چاہیے۔" وہ دور سے آتے رکشا کو روکنے کے لیے آگے بڑھی۔

"آپ کو گلوبل وارمنگ اور اس کے اثرات کی بالکل فکر نہیں ہے۔" رکشے میں سواری موجود تھی، وہ رکے بنا آگے بڑھ گیا۔ اس کی عجیب سی بات پر بھی اس نے مڑ کر دیکھا نہ ہی کچھ کہا۔

"ماحولیاتی آلودگی اور گلوبل وارمنگ ٹالنے میں سب کو اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔"

"کل سے آپ پیدل آنا جانا شروع کردیں۔" اس نے ہاتھ ہلاتے ہوئے آرہے رکشا کے خالی ہونے کی دعا کی۔ رکشا اس کے قریب پہنچ کر رک گیا۔

"آلودگی بچانے کے لیے کار ہیں چھوڑ کر، میں آپ کے ساتھ رکشا میں بھی جا سکتا ہوں۔" وہ اندر بیٹھی تو اس نے جھک کر درمیان کی سلاخ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ پل بھر کو اس کے چہرے پر حیرانی اور بوکھلاہٹ ابھری۔ وہ بے اختیار دوسری طرف سرک گئی۔

اسے لگا بس وہ ابھی اس کے پہلو میں بیٹھ جائے گا۔ اس خیال نے اس پر عجیب سی گھبراہٹ طاری کردی تھی۔ خضیب نے اس کے بدلے سے اس نئے تاثر کو کچھ دیر دیکھا، پھر سلاخ سے ہاتھ ہٹا کر ڈرائیور سے کہا۔

"جاؤ باس۔" ڈرائیور نے رکشا آگے بڑھا دی۔ اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر دل کو تھپکی دی جو ایک دم شور کرنے لگا تھا۔

"کاش امی نے بتایا ہوتا کہ یہ بھی، نانی کے گھر ہیں تاکہ اس کے جانے کے بعد شفٹ ہوتے۔" اس کو اس بات کا بڑا افسوس تھا۔

☆☆☆

اتوار کا دن تھا۔ وہ دوپہر کے کھانے کے برتن سمیٹ رہی تھی کہ اوپر سے بے ہنگم سا شور ابھرا۔ وہ بھائی بہن، اکثر چیخ پکار کرتے رہتے تھے لیکن آج آوازیں کچھ مختلف تھیں۔ دروانہ کی بلند چیخ پر وہ پلیٹیں چھوڑ کر دروازے کی سمت، جانے لگی تھی کہ فرحین نے ہاتھ اٹھا کر روکا۔

"بچے آپس میں لڑ رہے ہوں گے، میں دیکھتی ہوں، تم یہ سمیٹ کر آرام کرو۔"

کام نپٹا کر وہ وہیں کرسی پر بیٹھ کر فرحین کا انتظار کرنے لگی۔ وہ کافی وقت بعد واپس آئیں۔

"کیا ہوا تھا؟" وہ اس کے برابر والی کرسی پر بیٹھ گئیں۔

"دروانہ گلی کے کسی لڑکے سے فون پر بات کر رہی تھی، زبیدہ نے ڈانٹا، منع کیا لیکن اب بات کھلنے پر وہ صاف کہہ رہی ہے اسی سے شادی کرے گی، روکا تو گھر چھوڑ دے گی، بڑی تیز اور چرب زبان لڑکی ہے۔" وہ اس کی دیدہ دلیری پر حیران تھیں۔

"آنٹی سے کہیں، لڑکا اچھا ہے اور رشتہ بھیجتا ہے تو کردیں۔ خوامخواہ پابندیاں لگا کر بات نہ بڑھائیں۔"

فرحین نے اپنی سمجھ دار بیٹی کو دیکھا جو اپنے وقت ساری سمجھ داری جانے کہاں رکھ دیتی تھی۔

"بہت بدتمیز لڑکی ہے، خضیب بے چارا زبیدہ کے کہنے پر اس کے بھلے کے لیے سمجھا رہا تھا۔"

اسے آنٹی کا گھر کے معاملے میں ایک اجنبی اور چند دن پرانے شناسا اور پڑوسی سے مدد مانگنا برا اور عجیب لگا۔

"باپ کی غیر موجودگی میں ماں کی فکر، چھوٹو پر اثر لیکن وہ منہ پھٹ اس سے کہنے لگی، "مجھے آپ کی

طرح عمر بھر کنوارا نہیں رہنا۔"
فرحین کو دردانہ کا رویہ کچھ زیادہ ہی ناگوار گزرا تھا۔ ثناء چپ رہی۔ فرحین بے خیالی میں کہہ گئیں ورنہ وہ بیٹی سے ایسی بات نہ کہتیں۔
پھر کچھ دن تک اوپر سے گاہے گاہے بحث کی آوازیں آتی رہتیں۔

☆☆☆

آج بھی نانا، نانی اور فرحین کسی رشتے دار کے یہاں عیادت کو گئے تھے۔ ایسا کھلا میدان کم ہی ملتا تھا۔ وہ لیپ ٹاپ لیے ہال میں آ گئی۔ ابھی اسے کھولا بھی نہیں تھا کہ زینے سے نیچے آ رہی، عنایہ نے وہیں سے آواز لگائی۔
"آپ نہیں گئیں؟" اس نے کھلی کھڑکی سے اسے دیکھا اور کھلی کھڑکی کو کوسا۔ وہ اکثر اس کے آنے کے بعد نیچے آتی تھی۔ نانی، نانا اور فرحین کے ساتھ بیٹھ کر وہ سارے محلے کی خبروں کے ساتھ ساتھ، اپنے کالج اور دوستوں کی باتیں بھی سنایا کرتی۔
"بیماروں کی عیادت کو جانا ثواب ہے۔" وہ اندر آ کر اس کے برابر میں بیٹھ گئی۔ اسے ساری خبر تھی۔
"نہ جانے پر عذاب بھی نہیں ہے۔" اس نے لیپ ٹاپ کھولنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔
"پھر کام کرنے بیٹھ رہی تھیں اس پر؟" وہ بھول گئی تھی عنایہ کو بات بدلنے میں کب کوئی مشکل ہوتی تھی!
"نہیں۔" اس نے جھوٹ کہا۔
"آپ کو پتا ہے نا، اس دن کیا ہوا؟ دردانہ والی بات۔"
"اپنے گھر کی باتیں یوں دوسروں کو نہیں بتاتے۔"
"سارے دوسرے ہی آ کر معاملہ ٹھنڈا کر گئے تھے۔" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی۔ ثناء کے لیے یہاں عنایہ سب سے بڑا مسئلہ بن گئی تھی۔
"خبیب بھائی اور آپ کی امی۔" اس نے دوسروں کے نام بتائے۔

"جتنا وہ فون میں گھسی رہتی تھی، شک تو مجھے ہمیشہ ہوتا تھا۔" اس نے آنکھیں گھمائیں۔
"اللہ کرے سنبھل جائے۔" ثناء نے حیرت سے اسے دیکھا۔ کبھی یوں لگتا اسے کسی کی فکر نہیں ہے، وہ بہت لاابالی ہے، مگر کبھی کبھی بات کرتے ہوئے وہ بڑی سمجھ داری والی بات بھی کر جاتی تھی۔
وہ اکثر اس کی، نانی اور فرحین سے باتیں سنتی تھی۔
"آپ نے بھی ایسا کوئی کارنامہ انجام دیا تھا؟" اس کے اگلے سوال نے سمجھ داری والا سارا تاثر ہوا کر دیا۔
"نہیں۔"
"ایسا کیسے ہو سکتا؟" آپ اتنی بڑی ہیں کبھی تو کچھ نہ کچھ ہوا ہوگا۔ وہ رازدارانہ میں اس کے قریب آئی۔
"کسی نے آپ کو ریجیکٹ کیا یا آپ نے کسی کو اور اب اس دکھ میں کہیں شادی نہیں کر رہی ہیں۔"
"ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔" اسے غصہ آ گیا۔ وہ اس لڑکی کی بکواس سنتی ہی کیوں ہے۔
"آپ ایسے چڑ کے جواب دیں گی تو میرا شک مضبوط ہوگا کہ کوئی تو بات ہے۔"
عنایہ ان لوگوں میں سے تھی جن سے آپ چاہ کے بھی پیچھا نہیں چھڑا سکتے۔ اگر وہ اس وقت اٹھ کر، اپنے کمرے میں چلی جاتی تو اسے جو جواب چاہیے تھے وہ لینے وہ وہاں بھی پہنچ جاتی۔ دوسرے وہ جو منہ میں آتا، بولنے کی عادی تھی اور ثناء اس کی اس عادت سے خائف رہتی تھی کہ وہ اس کے بارے میں، کوئی الٹا سیدھا تجزیہ گھر والوں کے سامنے بیان نہ کر دے۔
"ایسی کوئی بات نہیں ہوئی ہے میرے ساتھ، اور اب یہ بات ختم کرو۔"
"اچھا تو یہ بتائیں، آپ کو کیسے انسان کا انتظار ہے؟"
"مجھے کسی کا انتظار نہیں۔"
"یہ تو جھوٹ ہے، آپ کا کوئی آئیڈیل تو ہوگا کسی فلمی ہیرو کے جیسا ہو یا کسی ناول کے ہیرو جیسا، یا اصل زندگی کے کوئی بندے جیسا چاہیے آپ

کو...... جیسے مجھے داڑھی مونچھوں والے ہیرو نہیں پسند، اب خبیب بھائی کو ہی دیکھ لیں، اتنے اسمارٹ ہیں لیکن بس داڑھی کی وجہ سے، میرے آئیڈیل سے مار کھا جاتے ہیں۔" اس نے تاسف سے سر ہلا کر منہ بھی ویسا ہی بنایا۔

"آپ کو اچھے لگتے ہیں خبیب بھائی جیسے لوگ؟"

"نہیں۔" وہ لیپ ٹاپ لے کر اٹھ گئی۔

"کہاں چلیں؟"

"ایک ضروری فون کرنا ہے آفس کے کام سے، فون اندر ہے، تم ٹی وی دیکھو۔" اس نے اسے اگلا کام بتایا تاکہ وہ اس کے پیچھے نہ آئے۔

"بنا سوچے سمجھے بات کرتی ہے، کوئی سمجھاتا کیوں نہیں اسے۔" لیپ ٹاپ میز پر رکھتے ہوئے وہ دل ہی دل میں کڑھ رہی تھی۔

"اچھا بھلا انسان بھی اسے پسند نہیں۔" اگلے خیال نے اسے ساکت کر دیا۔ یہ وہ پل تھا جس میں خود سے چھپا راز اچانک کھل جاتا ہے۔ ہم اپنے ہی اندر رونما ہوئے نئے حادثے سے باخبر ہوتے ہیں۔

☆☆☆

آج کھانے کی میز پر نانا نہیں تھے۔ ان کے کسی دوست کے یہاں عقیقے کی دعوت تھی۔ نانی نے خبیب کے انتظار میں کھانا بھی دیر سے لگایا تھا۔ حسب معمول فرحین، نانی اور خبیب مسلسل بات کر رہے تھے اور وہ یوں کھانے میں مگن تھی جیسے تنہا ہو۔ درمیان میں نانا بھی آ گئے۔

"یہ کیا لائے ہیں؟" نانی نے ان کے ہاتھ میں تھیلی دیکھ کر کہا۔

"یہ ثناء کے لیے لایا ہوں۔" انہوں نے خوشی سے بتایا۔

"اسے لیچی بہت پسند تھی ناں، آتے ہوئے نظر آئی تو لے آیا۔" ان کا جوش دیدنی تھا۔ انہوں نے چھوٹی سی پلاسٹک کی تھیلی ثناء کے سامنے رکھی۔

"ارے واہ!" فرحین مسکرائیں۔ سب کا انداز یوں تھا جیسے کسی، روٹھے بچے کو منانے کی کوشش کر رہے ہوں۔

"میں دھو کے لاتا ہوں۔" وہ خود ہی تھیلی اٹھا کر باورچی خانے کی طرف جانے لگے۔

"میں لیچی نہیں کھاتی۔" اس کی بے تاثر آواز گونجی۔ سب کے ہاتھ رک گئے۔

"ارے کیوں نہیں...... کھائے گی ابا۔" فرحین نے تیزی سے کہا۔

"نہیں امی۔" اس نے قطعیت سے کہا۔ "لیچی میرے حلق سے نہیں اترتی۔" اس نے اپنی پلیٹ اٹھائی اور کھڑی ہو گئی۔

"بچپن کی ساری پسند، شوق اور عادتیں بدل گئی ہیں میری، آپ میرے لیے ایسے تکلف نہ کیا کریں۔" وہ اندر چلی گئی۔ کمرے میں پنکھے کی آواز عجیب سا شور پیدا کر رہی تھی۔

"مجھے بہت پسند ہے انکل۔" خبیب نے کہا۔

"تھینک یو۔ اس کا جوس بنا کر آپ کو بھی پلاؤں گا۔" وہ اٹھ کے ان کے پاس آیا تھا۔

"آپ بیٹھیں، میں دھو کر لاتا ہوں۔"

وہ باورچی خانے سے باہر نکلی اور ان دونوں کے پاس سے گزرتی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

شرمندہ سے نانا نے تھیلی خبیب کو تھمائی اور جانے لگے تھے کہ اس نے ٹوکا۔

"آپ بیٹھیے وہاں انکل، آج ڈنر کے بعد ہم اسے بطور ڈیزرٹ کھائیں گے۔" وہ تھکے تھکے سے سر ہلا کر ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔

"ثناء کے رویے کے لیے میں شرمندہ ہوں ابا، وہ۔"

"نہیں بیٹا! شرمندہ تو میں ہوں کئی سالوں سے۔" یہ طنز نہیں تھا بلکہ ملال سے بھرا اعتراف تھا۔ "تم برا محسوس نہ کرو۔"

نانی چپکے چپکے آنکھیں صاف کر رہی تھیں۔

"یہ واقعی بہت میٹھی ہیں۔" خبیب اونچی آواز میں بولتا آیا تھا۔

www.zemtime.com

پہلے بھی جب نانا، نانی اس سے لگاوٹ یا محبت کا اظہار کرتے تو وہ جھنجھلاہٹ اور کوفت میں مبتلا ہو جاتی تھی۔ یہاں آنے کے بعد سے ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں بہت ہونے لگی تھیں، جس پر اسے ایک دم غصہ آ جاتا لیکن وہ فرحین کی وجہ سے ضبط کر لیتی تھی، آج نہ کر سکی۔

اس رات خضیب نے نبیلہ کو فون کیا تھا۔ فون رکھنے کے بعد اسے لگا تھا، وہ اس کے رویے کی وجہ جان گیا ہے لیکن وہ غلط تھا۔

☆☆☆

''آپ کو انکل کے ساتھ اتنا روڈ نہیں ہونا چاہیے تھا۔''

وہ دفتر سے گھر جاتے ہوئے ایک بار سائٹ کا چکر لگانے آئی تھی۔ پانچ بج گئے تھے، اس لیے کاریگروں نے کام سمیٹ لیا تھا۔ وہ باہر اس کا انتظار کر رہے تھے کہ معائنے کے بعد اس کی جانب سے کوئی ہدایت ملتی ہے یا شاباشی۔ وہ باورچی خانے میں کاؤنٹر کے اوپر لگے کیبنٹس کا جائزہ لے رہی تھی جب پیچھے سے خضیب کی آواز پر چونکی تھی، کڑواہٹ ہی اندر اتر رہی تھی۔ اسے یہ خبر نہیں تھی کہ وہ باہر انتظار کر رہے کاریگروں کو چھٹی دے چکا ہے۔

''اور آپ کو دوسروں کے معاملے میں مداخلت نہیں کرنی چاہیے۔'' اس نے جس نرمی سے پٹ کو دھکا دیا تھا، لہجے کی سختی اس کے متضاد تھی۔

''کسی کی بد اخلاقی اور غلطی کی نشان دہی مداخلت نہیں اس کی بھلائی بھی ہو سکتی ہے۔''

''اوہ تھینک یو!'' اس کی آواز کاٹ دار اور لہجے کی ٹھنڈک برف سی تھی۔ ''لیکن میں اپنا بھلا نہیں چاہتی اس لیے آئندہ ایسی کوشش مت کیجیے گا۔'' وہ اس کے پہلو سے نکل کر جانے لگی تھی کہ وہ سامنے آیا۔

''بزرگوں اور بڑوں سے بات کرنے کے بیسک مینرز، آپ کس کی بھلائی میں شمار کرتی ہیں؟'' وہ ایسے طنز کی عادی نہیں تھی۔ ایک گہری سانس لے کر اس کی جانب مڑی۔

''اپنی۔'' اس نے بحث کے بجائے بات ختم کی۔

''یہ آپ کی نہیں بزرگوں کی بھلائی ہے اور ان کے ساتھ ناروا سلوک دیکھ کر باز پرس کا حق ہر دیکھنے والے کو ہے، بشرطیکہ وہ حساس اور نرم دل ہو۔''

''ایک حساس اور نرم دل انسان نے اپنا حق استعمال کر لیا ہے تو ایک بے حس اور پتھر دل کو جانے کی اجازت دی جائے۔'' اسے نہیں یاد تھا کہ اس انداز میں اس نے پہلے کب کسی سے بات کی تھی۔

''ثناء!'' وہ رسان سے کہتا دو قدم آگے آیا۔ ''خود کو مشین نہیں انسان سمجھیں اور اپنے خول سے باہر نکل کر دیکھیں۔'' اس کا لہجہ سادہ مگر سچائی اور خلوص سے اس قدر لبریز تھا کہ سیدھا ثناء کے دل میں جاگزیں ہوا۔ دو پل کو وہ کھوئی سی اسے دیکھے گئی اور پھر سنبھل گئی۔

''یہ انکل، آنٹی کے لیے ہی نہیں آپ کے لیے بھی ضروری ہے۔''

''آپ میری فکر چھوڑ دیں اور......''

''نہیں چھوڑ سکتا۔'' جس تیزی سے اس نے بات کاٹی تھی، اتنا ہی مضبوط اس کا لہجہ تھا۔ ثناء پوچھنا چاہتی تھی کیوں لیکن دل سے مل رہے اشاروں پر ذہن نے حکم زباں بندی جاری کر دیا تھا۔ وہ جانے لگی تھی، خضیب نے کہا۔

''آپ کے پاس ہر بات کا ایک ہی حل اور ایک ہی جواب، فرار کیوں ہے؟''

''یہ فرار نہیں غیر ضروری بحث اور گفتگو سے احتراز ہے۔''

''حیرت ہے، مجھے آپ کی بھلائی کی فکر ہے، یہ بات آپ کے لیے بحث و تکرار طلب نہیں؟'' وہ اسے اکسا رہا تھا۔ ''مجھے آپ کی فکر کیوں ہے؟ میں آپ کی کیسی بھلائی چاہتا ہوں؟ آپ کے گریز اور ناراضی کے باوجود میں آپ سے کس لیے الجھ رہا ہوں...... آپ کو کسی کا جواب نہیں چاہیے یا آپ کو ان سب کے جواب پتا ہیں؟''

''مجھے کسی جواب میں دلچسپی نہیں ہے، آپ مجھے 'ٹھیک' کرنے کی لاحاصل کوشش یہیں چھوڑ دیں۔ ہماری زندگی اور سوچ میں رتی برابر بھی

یکسانیت نہیں ہے، میں جو ہوں جیسی ہوں، وہ کسی وجہ سے ہوں، میرا مزاج اور رویہ حالات نے اس سانچے میں ڈھالا ہے، جو آپ کے لیے قابل قبول نہیں ہے تو نہ کریں قبول۔ آپ نے وہ زندگی نہیں جی جو میں نے گزاری ہے، کچھ داغ اور زخم عمر بھر ہرے رہتے ہیں، اس لیے مجھ سے اپنی مرضی کے مزاج اور رویے کی امید نہ رکھیں۔ مجھے اپنے طور طریقوں کے لیے کسی کا اپروول نہیں چاہیے، اسپیشلی اس کا جس نے زندگی میں کوئی چوٹ نہیں کھائی ہو، کوئی درد نہیں سہا ہو۔"

"اتنا تو سمجھ میں آتا ہے کہ آپ کو اپنے نانا نانی سے کوئی شکایت ہے......" وہ دروازے میں اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا تھا۔ "انہوں نے آپ کے ساتھ، کوئی زیادتی بھی کی ہوگی یا شاید اس سے بھی برا لیکن اس عمر میں وہ حسن سلوک کے مستحق ہیں، ان کی وہ عمر نہیں کہ انہیں سزا دی جائے، عدالتیں بھی عمر دیکھ کر سزا میں تخفیف یا رعایت دیتی ہیں، اب بات ان کی غلطی کی نہیں آپ کے سلوک اور برتاؤ کی ہے، وہ کتنے برے انسان تھے اس کی نہیں بلکہ آپ کتنی اچھی انسان ہیں اس کی ہے اور ثناء! ہم اپنے رویے اور مزاج کے لیے ساری عمر دوسروں کو یا ماضی کو قصوروار نہیں ٹھہرا سکتے۔ ایک وقت اور عمر کے بعد اپنے رویے، کام اور اعمال کے ذمہ دار ہم خود ہوتے ہیں، بہ حیثیت انسان ہم ایسے ہی تو مچیور اور بڑے ہوتے ہیں، کسی نے ہمارے ساتھ برا کیا بھی ہو تو ساری عمر، مظلوم بنے رہنا ہماری چوائس نہیں ہونا چاہیے، آپ کا یہ رویہ اسی کا مظہر ہے۔"

"آپ جانتے ہیں ان کا جرم؟" اس کے اس گیان نے اسے آگ لگا دی تھی۔ اس نے تنک کر پوچھا۔

"نہیں لیکن......"

"امی جب ایک ناکام اور مکروہ شادی ختم کرنا چاہتی تھیں، اس وقت نانا، نانی نے ان کے سامنے یہ شرط رکھی کہ اگر طلاق لینا ہے تو وہ مجھے وہیں باپ کے پاس چھوڑ دیں۔" وہ آواز مضبوط رکھنے میں کامیاب رہی تھی لیکن پلکیں بھیگ گئی تھیں۔ خبیب کو واضح طور پر جھٹکا لگا تھا۔

"امی نہ مجھے چھوڑ سکیں نہ ابا کو اور تمام عمر میری آنکھوں کے سامنے مار کھاتی رہیں، ذلیل ہوتی رہیں، اپنی بیٹی کو واپس قبول کرنے کے لیے انہیں مجھ سے چھٹکارا چاہیے تھا۔" سارے زخموں کے ٹانکے ادھڑ گئے تھے۔ ٹیسیں تھیں، تڑپ تھی اور ماں کے جسم پر لگی ہر چوٹ کا نشان اس کی روح پر تازہ ہو گیا تھا۔

"وہ ظلم جو انہوں نے امی اور میرے ساتھ کیا تھا، آج تک جاری ہے، ابا کے جانے کے بعد بھی وہ ختم نہیں ہوا ہے، نہ ان کے زخم بھرتے ہیں نہ میرے داغ مٹتے ہیں۔

مجھے اس دنیا میں اپنی ماں کے علاوہ کسی سے لگاؤ ہے نہ محبت، جس نے ایک جہنم میں رہنا پسند کیا لیکن مجھے نہیں چھوڑا وہی میری دنیا ہے، مجھے ان ہی سے محبت ہے اور کسی سے نہیں۔ مجھے کوئی پروا نہیں کہ کون میرے بارے میں کیا سوچتا ہے، جس کی زندگی پھولوں کی سیج رہی ہو، جس نے ایک محفوظ اور صحت مند ماحول میں اعتماد کے ساتھ، زندگی گزاری ہو اسے محروم اور مجروح لوگوں کے معاملے میں بولنے کا کوئی حق نہیں ہوتا، جس کا کوئی ماضی نہ ہو، وہی ایسی موٹیویشنل اسپیچ دے سکتا ہے کہ ساری عمر ماضی کو قصوروار نہیں ٹھہرا سکتے۔ اب بھی لیکچر مت دیجیے گا مجھے کہ ایسے بزرگوں سے کیسے بات کرنی چاہیے۔" وہ آگے آئی تو خبیب نے خاموشی سے اسے راستہ دے دیا۔

رکشا میں بیٹھتے ہی اس کا ضبط ختم ہو گیا تھا۔

☆☆☆

اسے ٹھیک سے یاد نہیں تھا کہ اس وقت اس کی عمر کتنی تھی لیکن اسے نانی، نانا اور فرحین کی وہ باتیں اب بھی یاد تھیں۔ وہ اسے سوتا سمجھ اس کے دل میں اپنی محبت بھی سلا گئے تھے۔

"اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتا ابا! میں نے بہت سوچنے کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے۔" فرحین کی آواز غم سے نڈھال اور آنسوؤں میں ڈوبی تھی۔

"بیٹا! ماں باپ کے لیے ایسے فیصلوں میں اولاد کا ساتھ دینا آسان نہیں ہوتا، اونچ نیچ تو ہر شادی میں ہوتی ہے۔" نانی اب بھی سمجھانے کا ارادہ اور فرحین کے سمجھ جانے کی امید رکھے تھیں۔

"نہیں اماں! میں اب اور نہیں سہہ سکتی۔ میں نے اتنے برس اسی امید پر نکالے کہ وہ سمجھ جائیں گے، بدل جائیں گے، بیٹی بڑی ہو رہی ہے، یہ احساس ہی ان کو ہاتھ اٹھانے سے روک دے گا مگر ایسا کچھ نہیں ہوا، اب مجھ میں کوئی اچھی امید نہیں بچی، مجھ میں اب اور ذلت اور مار سہنے کا حوصلہ نہیں ہے۔"

"تو تم نے فیصلہ کرلیا ہے؟" نانا نے پوچھا۔

"ہاں ابا۔" فرحین نے سر جھکا کر مجرموں کی طرح کہا۔

"ٹھیک ہے لیکن ایک شرط ہے......"

"مجھے سب کچھ منظور ہے ابا! بس اب اس گھر میں اس آدمی کے ساتھ نہیں رہنا۔"

"تمہیں ثناء کو اس کے باپ کے پاس چھوڑنا ہوگا۔" فرحین کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔

"ابا!" وہ رو پڑیں۔ "میں اپنے جگر کے ٹکڑے کو کیسے اس جلاد کے پاس چھوڑ سکتی ہوں؟"

"جلاد نہیں وہ باپ ہے اس کا، ثناء اس کی ذمہ داری ہے، تم ہماری بیٹی ہو تو تمہارے لیے اس گھر میں ہمیشہ جگہ ہے، بیٹیوں کی جگہ سسرال ہوتی ہے یا باپ کا گھر۔" ان کا لہجہ بتا رہا تھا یہ فیصلہ اٹل ہے۔

"تمہیں بھی تو گھر کے حالات کا پتا ہے پھر طلاق کے بعد اولاد ساتھ ہو تو دوسری شادی مشکل ہو جاتی ہے اور اگر وہ بیٹی ہو تو بہت ہی مشکل۔" نانی نے بھی قائل کرنا چاہا۔

"میں کہاں دوسری شادی کا کہہ رہی ہوں، میں ساری عمر......" وہ مسلسل رو رہی تھیں۔

"ہم تمہیں ساری عمر گھر نہیں بٹھا سکتے......" نانا نے بات قطع کی۔ "تمہارے پاس اتنی تعلیم ہے نہ کوئی ہنر کہ اپنا بوجھ خود اٹھا سکو، طلاق کے بعد نہیں تو بیاہنا ہوگا ہی اگر ساتھ ثناء ہوئی تو بہت مشکل ہو گی......"

نانا کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ ایک اذیت اور ذلت بھری شادی سے نجات کے لیے بڑی آس سے ماں باپ کو دیکھ رہی تھیں اور وہ ابھی سے ایک اور ذلت اور اذیت بھرا تصور ان کے سامنے رکھ چکے تھے۔

"بچی کو باپ کے پاس چھوڑ کر تم اس گھر میں واپس آسکتی ہو۔" وہ کمرے سے چلے گئے۔

"اماں!" فرحین نے بے بسی سے ماں کو پکارا۔ "ایسا ظلم تو نہ کریں، میں یہ نہیں کرسکتی، آپ بھی تو ماں ہیں......"

"ہم تمہارا بھلا چاہتے ہیں، اس لیے اس کی اولاد کو وہیں چھوڑ آؤ، تمہارے ابا غلط نہیں ہیں، ذرا ٹھنڈے دماغ سے سوچو۔"

"ثناء میری بھی بیٹی ہے اماں۔" وہ بری طرح سسک اٹھیں۔

"جذبات سے نہیں عقل سے فیصلہ کرو، کل کو جب اس کا بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں رہو گی تب پچھتانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، ایک بار بیٹی کے ساتھ اس گھر کی دہلیز پار کرو گی تو پھر ہمیشہ بیٹی کا بوجھ تمہارے سر ہوگا، پھر تم چاہو گی بھی تو اسے لوٹا نہیں پاؤ گی۔ بیٹی کی ذمہ داری بڑی بھاری ہوتی ہے، شادی بیاہ کے خرچے سے لے کر آگے تک، اچھی طرح سوچ لو۔"

اور اس کی ماں نے اچھی طرح سوچ کر اسی جہنم میں رہنے کا فیصلہ کیا۔ اس دن کے بعد سے اس کے لیے دنیا میں ماں کے علاوہ کوئی قابل محبت اور قابل اعتبار نہیں رہا تھا۔ اس کے بعد جب اس کی ماں نے مار کھائی، اس کی روح تار تار ہوئی تھی کہ اس میں قصور اس کا بھی نکلتا تھا۔ اس کے بعد اس کے دل سے نانا، نانی کے لیے اپنائیت ہی نہیں، ان کا مقام اور احترام بھی ختم ہو گیا تھا۔ وہ پھر اپنی ماں سے کبھی آنکھ نہیں ملا سکی۔

گھر پہنچی تو شکر تھا کہ گیٹ کھول کر کمرے میں

آنے تک کسی سے سامنا نہیں ہوا۔ سر درد کا بہانا بنا کر اس نے رات کا کھانا بھی نہیں کھایا۔ وہ فی الوقت خبیب کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

سونے سے پہلے اس نے سوچ لیا تھا کہ اگلے دن پاس سے بات کر کے وہ کسی سے اپنی جگہ بدل لے گی لیکن جب بات کی تو جواب ملا کہ کام تقریباً اختتامی مراحل میں ہے، کچھ دنوں کے لیے کیوں چھوڑ رہی ہیں؟ اور جواب دینے کے بجائے اس نے تیزی سے کام ختم کرنے کا سوچ لیا۔

وہ اب زیادہ تر بازاروں میں آرائشی سامان کے لیے خوار ہو رہی تھی۔ خبیب نے مصروفیت کی وجہ سے ساتھ چلنے کے بجائے پہلے ہی سب اس پر چھوڑ دیا تھا اور اس کی ذمہ داری بڑھ گئی تھی کہ اس کی فرمائش اور پسند کے مطابق سب مرتب کر سکے۔ ذاتی اور پیشہ ورانہ زندگی پہلی بار خلط ملط ہو رہی تھی پھر بھی وہ ایمان داری سے کوشش کر رہی تھی۔

ماسٹر بیڈ روم میں، دیوار گیر الماری، پلنگ، میز اور آئینے کے بعد بھی کافی جگہ بچی تھی۔ وہ کھڑکی کے قریب والے گوشے میں کوئی بڑا خوب صورت سا آرائشی گل دان یا مجسمہ رکھنا چاہتی تھی۔ اس نے کرسٹل اور میٹل کا بہت نازک سا ہینڈ اسکلپچر بھی دیکھ رکھا تھا۔ کسی دن خبیب کو ساتھ لے جا کر اور وہ سب دکھا کر کوئی ایک چیز فائنل کرنا تھی۔

☆☆☆

فرحین ماں باپ کے ساتھ شادی میں گئی تھیں۔ ہمیشہ کی طرح اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔ اتوار تھا پھر بھی حسب معمول عنایہ نیچے نہیں آئی تھی۔ کچھ دیر بعد جب اوپر سے کوئی آواز یا شور نہیں سنائی دیا تو وہ سمجھ گئی وہ لوگ بھی کہیں گئے ہوئے ہیں۔ بڑے دنوں بعد ایسی آزادی اور تنہائی میسر تھی۔ اس کا کھانا بنانے یا پہلے سے موجود کھانا کھانے کا دل نہیں تھا۔ اس نے فوڈ ایپ سے اپنے لیے برگر، فرائز اور کوک منگوائی اور لیپ ٹاپ پر فلم لگا کر انتظار کرنے لگی۔ چونکہ اکیلی تھی اس لیے اس نے ایئر فونز نہیں لگائے تھے۔ اچانک باہر سے شور ابھرا۔ اس نے گیٹ کی طرف کان لگا کر سمجھنے کی کوشش کی مگر کچھ پلے نہ پڑا۔ اس نے نظریں واپس لیپ ٹاپ پر مرکوز کیں اور پاز اسکرین کو پھر سے متحرک کیا۔ تبھی باہر سے ایک تیز نسوانی چیخ ابھری۔ وہ لیپ ٹاپ صوفے پر رکھ کر کھڑی ہوئی اور جیسے تیسے چپل پیر میں ڈال کر گیٹ سے باہر آئی۔ دو مکان چھوڑ کر گلی میں ایک جوان سی عورت زمین پر بیٹھی دوپٹا اور خود کو سنبھالتے ہوئے ہلکان ہو رہی تھی۔ جینز اور بنیان پہنے ایک آدمی جسے دیکھتے ہی وہ سمجھ گئی تھی کہ اس کا شوہر ہے، اسے پیر سے ٹھوکریں مار رہا تھا۔ اس کا سانس رکنے لگا۔ آس پاس تماش بین بھی کھڑے تھے۔ وہ تیزی سے واپس پلٹی اور تپائی سے فون اٹھا کر پولیس ایمرجنسی نمبر ملانے لگی۔ وہ جاتے ہوئے روز پولیس اسٹیشن دیکھتی تھی جو گھر سے بمشکل پانچ منٹ کی دوری پر تھا۔ اسے یقین تھا کنٹرول روم یا ایمرجنسی سینٹر والے اسی پولیس اسٹیشن کو اطلاع دے کر یہاں پہنچنے کو کہیں گے۔ اس نے اس سے پہلے کبھی یوں فون نہیں کیا تھا لیکن اس نے ایسے ہی کسی دن کے لیے متعلقہ تمام نمبر محفوظ کر رکھے تھے۔ اتفاق سے دوسری جانب سے فوراً جواب مل گیا۔ اس نے اپنا پتا اور باہر کی صورت حال بتا کر فون رکھا اور گیٹ پر آئی۔

”گلی میں کیوں تماشا کر رہے ہو، اپنے گھر میں کرو یہ سب۔“ ایک ادھیڑ عمر کی عورت نے ناگواری سے کہا مگر خود وہیں جمی رہی۔

”تو اپنا کام کر۔“ مرد نے غصے سے کہا مگر الفاظ کہاں غصہ کم کرتے ہیں سو ایک زور دار لات عورت کے پیٹ میں ماری۔ وہ جو اٹھنے لگی تھی بلبلاتی ماں کو پکارتی پیٹ پکڑ کر پھر زمین پر گر گئی۔ اس کے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو کر کانپنے لگے تھے۔ وہ آگے بڑھ کر اس آدمی کو روکنا چاہتی تھی لیکن قدم من من بھر کے ہو گئے تھے۔

”چھٹی کے دن بھی سکون نہیں ہے۔“ ایک

مرد بڑبڑاتا ہوا اس کے آگے سے گزر گیا۔
"بس کر، مر جائے گی وہ۔" بنیان والے نے عورت کو بالوں سے پکڑ کر زمین سے اٹھایا تو آواز آئی۔
"مر ہی جانا چاہیے سالی کو......" اس نے جھک کر عورت کے منہ پر چٹاچٹ جانے کتنے تھپڑ لگا دیے۔ "یہ حرام زادی اسی لائق ہے۔"
وہ عورت چیخ رہی تھی، ہاتھ جوڑ رہی تھی مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ اس کا چہرہ غصے، نفرت اور قوت کے زعم میں بڑا بد صورت ہو گیا تھا یا صرف اسے ہی کریہہ محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے جیسے تیسے خود کو آگے بڑھنے پر تیار کیا۔ وہ کسی پڑوسی کو نہیں جانتی تھی۔ آج سے پہلے وہ دفتر آنے جانے کے علاوہ کبھی باہر نکلی بھی نہیں تھی۔ گیٹ یونہی کھلا چھوڑ کر وہ اس ہجوم کی طرف بڑھی۔ اسی وقت ضُہیب نے گلی کے دوسرے سرے سے اندر کار موڑی تھی۔ زیادہ فاصلہ نہیں تھا، اس لیے بھیڑ، کھلا گیٹ اور ثناء اسے نظر آگئے تھے۔
"بند کرو اسے مارنا۔" قریب پہنچ کر اس نے کہا۔ اس آدمی تک اس کے الفاظ نہیں پہنچے لیکن آس پاس کھڑے لوگ اس کو دیکھنے لگے۔
"بی بی! ان سے دور ہی رہو۔" ایک خیر خواہ خالہ نے مشورہ دیا۔ "یہ تو روز کا کام ہے ان کا۔"
عورت کا چیخنا، رونا اور دہائیاں جاری تھیں ساتھ ہی مرد کے ہاتھ پیر اور زبان بھی جو اسے بد ذات، کام چور، پھوہڑ اور جانے کیا کیا کہہ رہا تھا۔
اس آدمی نے عورت کو چوٹی سے پکڑ کر کھڑا کیا۔
"اتنی مار کھا کے بھی عقل ٹھکانے نہیں آتی ہے تیری، تجھے تو زندہ زمین میں گاڑ دینا چاہیے۔"
عورت نے اپنے بال چھڑانے کی کوشش کی جس میں ذرا سی کامیاب بھی ہو گئی تھی اور آدمی اس شکست پر اور جراغ پا ہو گیا۔ اس نے زور سے اسے سامنے پھینکا۔ وہ دبلی پتلی سی تھی دور جا گری۔ ثناء دوڑ کر اس کے پاس گئی اور اسے اٹھانے لگی۔
"بس کرو، کتنا مارو گے۔ مر جائے گی وہ۔"
عورت کے منہ سے خون نکل رہا تھا۔ اس کا ہونٹ پھٹ گیا تھا۔
"ہمارے بیچ بولنے والی تو کون ہوتی ہے؟"
مرد غرایا اور جھپٹ کر عورت کو اس سے چھڑا کر ایک طرف کیا۔
"یہ نئی سہیلی ہے تیری؟ اس کے دم پر مجھ سے زبان چلا رہی تھی......؟"
"نہیں...... نہیں......" اس عورت نے ہراساں ہو کر ہاتھ جوڑے۔ "میں نہیں جانتی اسے۔"
"پھر جھوٹ......" آدمی کا زناٹے دار تھپڑ ایسا شدید تھا کہ وہ لڑکھڑا گئی۔ ثناء نے اسے تھاما تو عورت نے تیزی سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔
"کون ہو تم، دور رہو مجھ سے۔" وہ مار اس آدمی سے کھا رہی تھی مگر غصہ اسے ثناء پر آرہا تھا۔
ضُہیب کار کھڑی کر کے وہاں پہنچ گیا تھا۔
"یہ کیا تماشا لگا رکھا ہے آپ سب نے؟" اس نے وہاں کھڑے لوگوں کو مخاطب کیا۔
"گھر جائیں، اپنا کام کریں، یہ ان کے گھر کا معاملہ ہے، آپ سب کیا کر رہے ہیں یہاں، جائیں یہاں سے۔" اس کی بات کا اثر تھا، اس کے سخت لہجے کا، اس کی شخصیت کا یا اس کی کار اور حلیے سے وہ مرعوب ہوئے تھے کہ بڑبڑاتے ہوئے ادھر ادھر ہونے لگے۔ کچھ اپنی جگہ جمے رہے۔
"آپ بھی گھر کے معاملات گھر میں نپٹائیں، یہ شریفوں کا محلہ ہے۔"
وہ وہاں کھڑے چند لوگوں کی طرف مڑا۔
"آپ ابھی تک یہیں ہیں، جائیں۔" اس کا انداز حکمیہ تھا۔
"ہم بھی کوئی بدمعاش نہیں ہیں۔" اس آدمی نے کہا اور عورت کا بازو پکڑ کر اسے گھسیٹا۔
"تو چل اندر۔" وہ اسے کھینچتا اپنے گھر کی

طرف بڑھا۔
"وہ اندر لے جا کر تو مار ہی ڈالے گا اسے۔"
اس نے بے قراری اور ذرا غصے سے خُبیب کو دیکھا۔
"آپ گھر چلیں۔" خُبیب نے اس کی بات ان سنی کی۔
"آپ نے اس عورت کی مشکل اور بڑھا دی ہے۔" وہ بری طرح چڑ گئی۔ جھنجلائی سی ان دونوں کے پیچھے جانے لگی تھی کہ خُبیب سامنے آیا۔
"آج سے پہلے ایسے کتنے معاملات سلجھائے ہیں آپ نے؟"
"آج پہلا سلجھاؤں گی۔"
"وہ تھک گیا ہے، اب مزید ہاتھ اٹھانے کی سکت نہیں ہے اس میں۔" خُبیب نے نرمی سے کہا۔ ثناء نے دیکھا۔ لمبی لمبی سانسیں لیتا وہ تیسرے مکان کے کھلے دروازے میں داخل ہو رہا تھا۔
"اس بھیڑ کی موجودگی میں رک جانا اس کی شان کے خلاف تھا۔ جتنی دیر لوگ اس کی مردانگی کا مظاہرہ دیکھنے جمع رہتے، تھک جانے کے باوجود بھی اس کے ہاتھ پیر بھی چلتے رہنے تھے، اب تسلی ہو گئی ہے اس کی۔"
اندر داخل ہو کر اس نے عورت کا ہاتھ جھٹک کر اسے دور کیا اور خود پلنگ پر بیٹھ کر ماتھے کا پسینہ پونچھنے لگا۔ وہ دو کمروں کا چھوٹا سا مکان شاید کرائے کا تھا۔
ثناء نے گردن سیدھی کر کے خُبیب کو دیکھا وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ کچھ کہے بنا گھر کی طرف بڑھ گئی۔ خُبیب اس کے پیچھے تھا۔ وہ گیٹ تک پہنچا تب ہی اس کا کھانا بھی آ گیا۔ خُبیب ڈلیوری مین سے لفافہ لے کر ہال میں آیا۔ صوفے پر اس کا لیپ ٹاپ رکھا تھا اور وہ اندر تھی۔ پانی پی کر واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں پانی سے بھرا گلاس تھا۔
"تھینک یو۔" خُبیب نے گلاس لیتے ہوئے کہا۔
"گھر میں کوئی نہیں ہے؟ اوپر والے بھی نہیں؟" پانی پی کر اس نے پوچھا۔
"سب باہر گئے ہیں۔" اسی وقت اس کا فون بجنے لگا۔ باہر گلی میں پولیس آئی تھی اور اس سے پوچھ رہی تھی کہ یہاں تو سب ٹھیک ہے تو جھوٹا فون کیوں کیا۔ وہ بات کرتے ہوئے ہی گیٹ کھول کر باہر نکلی۔ خُبیب نے اس کی بات سے اندازہ لگایا اور سر تھام لیا۔ اس کے پیچھے وہ بھی باہر آیا۔ تب تک ثناء کانسٹیبل کے ساتھ اس گھر کی طرف چل پڑی تھی۔
وہاں آدمی پلنگ پر سو رہا تھا اور عورت اندر چائے بنا رہی تھی۔ اس کی جوش سے بھری آواز پر اس عورت کے پہلے جملے سے ہی اوس پڑ گئی۔
"ارے کیا دشمنی ہے تیری مجھ سے؟ جان نہ پہچان اور چلی ہے میرے گھر کو برباد کرنے...... کچھ نہیں ہوا ہے صاب، یہ معلوم نہیں کیوں......" وہ ہکا بکا سی اسے میاں کی تعریفوں میں رطب اللسان دیکھ رہی تھی۔ آدمی بھی ہاتھ جوڑ کر خود کو نہایت شریف اور معصوم ثابت کر رہا تھا۔
"آپ اس کے خلاف میری رپورٹ لکھ لو ابھی کہ یہ زبردستی ہمیں پریشان کر رہی ہے، میاں بیوی میں جھگڑا کرانا چاہتی ہے، مجھے میرے شوہر سے کوئی شکایت نہیں ہے۔" وہ عورت کینہ توز نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے ہاتھ نچا نچا کر کہہ رہی تھی۔
"آپ گھر جاؤ، میں دیکھتا ہوں۔" کانسٹیبل نے انہیں گھر جانے کو کہا۔ عورت کا حلیہ کچھ دیر پہلے ہوئے تشدد کا گواہ تھا۔ کانسٹیبل بھی معاملہ فہم تھا۔
وہ حیران سی ست قدم اٹھاتی واپس آ گئی۔ خُبیب بھی خاموش اس کے ساتھ تھا۔ وہ سوچ رہی تھی اب وہ بھی ایک لمبی سی تقریر کرے گا کہ دیکھا اس لیے دوسروں کے معاملات میں ٹانگ نہیں اڑانا چاہیے مگر وہ چپ ہی رہا۔
"ضرور کوئی مجبوری ہو گی یا اس نے ڈرایا دھمکایا ہو گا۔" سوچتے ہوئے آخر کسی نتیجے پر پہنچ کر وہ سر ہلاتے ہوئے بے خیالی میں بلند آواز میں کہہ گئی۔
"دوسروں کی مدد کا جذبہ قابلِ ستائش ہے لیکن

مدد بھی سب پر تھوپی نہیں جاسکتی، جو مدد لینا ہی نہیں چاہتا۔ ہم اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔"

"آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ مدد لینا نہیں چاہتی؟" اس کے جواب دینے سے پہلے باہر کسی نے گیٹ بجایا۔ وہ اٹھ کر باہر آئی تو وہاں وہی کانسٹیبل کھڑا تھا۔

"میڈم! اب سمجھا آپ نے میاں بیوی کے جھگڑے میں بھی نہیں کودنے کا، وہ لڑ جھگڑ کے ایک ہو جاتے ہیں۔ کبھی کبھی تو کمپلین کرنے والا پھنس جاتا ہے۔ آج فون آیا تو بڑے صاب کو لگا بات جیادہ بگڑ گئی ہوگی، اس لیے کسی نے فون لگایا لیکن یہ تو روج کی کٹ کٹ ہے ایسے لوگوں کی۔ مارنے اور مار کھانے والا دونوں راجی ہو تو پولیس بھی کچھ نہیں کر سکتی۔ آپ کو بھی سبق مل گیا ناں اب فون نہیں کرنے کا۔" کانسٹیبل اسے غلط۔ سلط گیان بانٹ کر چلا گیا۔

وہ مرے مرے قدموں سے واپس اندر آئی۔ شعیب نے کھوئی کھوئی ثناء کو بغور دیکھا۔ اس کے صبیح چہرے پر اداسی اور مایوسی پھیلی تھی۔

"ہم چاہتے ہوئے بھی سب کی مدد نہیں کر سکتے، اس میں برا فیل کرنے کی ضرورت نہیں ہے، آپ کی نیت اور ارادہ نیک تھا، آپ نے کوشش کی، یہ کافی ہے، زیادہ نہ سوچیں۔" اسے تو اول دن سے، پہلی نظر سے ہی اس سنجیدہ چہرے پر مسکراہٹ اور ہنسی دیکھنے کی آرزو تھی۔

"پولیس بھی زیادہ سے زیادہ دونوں میں صلح کروا کر چلی جاتی ہے۔ آپ لنچ کرلیں۔ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" وہ یونہی بت بنی بیٹھی رہی تو وہ جانے کے لیے دروازے کی جانب بڑھا۔

"اس دن ہم رمضان سے پہلے عید کی شاپنگ کرنے نکلے تھے......" وہ اسی انداز میں گود میں رکھے ہاتھوں کو دیکھ کر بولی۔ یہ سمجھنا مشکل تھا کہ وہ اس سے مخاطب ہے یا یہ خود کلامی ہے۔ وہ رک گیا۔

"میرے سامنے تو ابا امی پر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے لیکن ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے یہ بات مجھ سے چھپی نہیں تھی۔ ابا کی آوازیں، ان کا غصہ، امی کی دبی دبی سسکیاں، امی کا رویا چہرہ، مار کے نشان چھپانے کی کوشش، میں سب جانتی تھی لیکن اس دن جو ہوا وہ میرے لیے قیامت تھا، اس کے بعد میری دنیا بدل گئی تھی۔" اس کے آنسو ہاتھوں پر گرنے لگے تھے۔

"جانے کس بات پر ابا کا مزاج بگڑا اور انہوں نے بیچ سڑک پر ہی امی کے گال پر تھپڑ مار دیا۔ امی کو بھی اس بات کی امید نہیں تھی، وہ کسی قرض اور فرض کی طرح چپ چاپ مار کھایا کرتی تھیں، ابا کو بھی ایک بت پر اپنا غصہ نکالنے کی عادت تھی لیکن اس دن امی نے ان سے ہاتھ جوڑ کر منت کی کہ شانت ہو جائیں، ہم باہر ہیں، اس طرح نہ کریں، لوگ دیکھ رہے ہیں اور ان کا منہ کھولنا ابا کو آپے سے باہر کر گیا۔ وہ کہاں ہیں، کون دیکھ رہا ہے، اس سے انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا لیکن وہ اس وقت مجھے بھی بھول گئے کہ میں بیچ سڑک پر کھڑی اپنے باپ کے ہاتھوں ماں کو پٹتے دیکھ رہی ہوں۔

انہوں نے جاہلوں کی طرح لاتوں کا استعمال نہیں کیا تھا بس امی کی پشت اور ان کا چہرہ ان کے زیر عتاب رہا تھا۔ ساتھ ان کی زبان بھی چل رہی تھی۔ میں وہاں کھڑی روتے ہوئے لوگوں کو پرامید نظروں سے دیکھ رہی تھی کہ کوئی تو ابا کا ہاتھ پکڑے گا، امی کو ان سے دور کرے گا، لیکن وہ سب تو مزے لے رہے تھے۔

میں شاید پانچ چھ سال کی ہوں گی اور تب ہی میں نے انسانوں کی بے حسی بہت شدت سے محسوس کی تھی اتنی شدت سے کہ اس کے بعد میرے اندر ان لوگوں کے لیے کوئی اچھا خیال نہیں بچا جو ایسے موقعوں پر تماش بین بن جاتے ہیں۔

گھر پر بھی یہ سب میں بند کمرے میں سن اور محسوس کر سکتی تھی تو باہر بھی آوازیں لازمی جاتی ہوں گی مگر کبھی کسی نے دستک دے کر اسے روکنے کی

کوشش نہیں کی، کیا ماجرا ہے، نہیں پوچھا۔ بعد میں ہنسی مذاق کرنے والے وہی پڑوسی مجھے زہر لگتے تھے۔

کسی کی مداخلت میری ماں کو مار سے بچا سکتی تھی مگر کبھی کوئی آگے نہیں آیا۔ تماشا دیکھتے وقت، دیوار سے کان لگا کر سنتے وقت دوسروں کے معاملے میں بڑی دلچسپی ہوتی ہے لیکن اسے روکتے وقت دوسروں کے معاملے میں نہ پڑنے کا اصول یاد آ جاتا ہے۔

امی جو بھرم اور عزت قائم رکھے تھیں اس دن وہ مٹی ہو گئی تھی۔ ان کی ذات کی سر بازار یہ تذلیل ہم ماں بیٹی کو ہمیشہ کے لیے بدل گئی۔ جب جب انہوں نے آئینہ دیکھا ہوگا، انہیں اس دن کی ذلت دکھائی دی ہوگی۔ اس کے بعد ہی امی نے ابا سے الگ ہونے کا فیصلہ کیا تھا جو میری وجہ سے پورا نہیں ہو پایا۔ تشدد اور ظلم میں تین فریق ہوتے ہیں، ایک کرنے والا دوسرا سہنے والا اور تیسرا دیکھنے والا اور اسی دیکھنے والے کی ذمہ داری ہے کہ وہ انجام سے بے پروا ہو کر بچانے والا، روکنے والا بھی بنے۔" اس نے ایک ہاتھ اٹھا کر گال خشک کیے۔

"آئندہ بھی جتنی بار میں یہ ہوتا دیکھوں گی۔ اتنی بار اسے روکنے کی کوشش کروں گی، چاہے بدلے میں میرے خلاف رپورٹ درج ہو جائے یا دو چار چانٹے مجھے بھی پڑ جائیں، میں خاموش تماش بین نہیں بن سکتی۔"

خبیب اس کے سامنے آ کر رک گیا۔

"ضروری نہیں ہے کہ ایسے موقعوں پر موجود ہر انسان بے حس ہوتا ہے، یا یہ شو انجوائے کرتا ہے، اکثر لوگ چاہتے ہوئے بھی آگے نہیں بڑھتے کہ انہیں اپنی عزت پیاری ہوتی ہے، ظاہر ہے جو بیچ بازار یہ سب کر سکتا ہے، اس میں غیرت اور شرم تو ہوتی نہیں ہے، ایسے انسان سے کچھ بعید نہیں ہوتا کہ وہ بیچ میں پڑنے والے کو بھی مار پیٹ یا لڑائی میں گھسیٹ لے، دوسری اہم بات کہ اکثر لوگ لڑ جھگڑ کر پھر مل جاتے ہیں جو آپ نے بھی کچھ دیر پہلے دیکھا، اس لیے بھی کوئی درمیان میں نہیں کودتا۔"

"کیا پٹنے والا شوق سے مار کھاتا ہے؟ اس کو درد اور تکلیف نہیں ہوتی؟ ذلت محسوس نہیں ہوتی؟ اس تماشے میں اس کی مرضی شامل ہوتی ہے؟" اس نے سر اٹھا کر پوچھا۔

"کچھ چیزیں بلیک اینڈ وائٹ نہیں ہوتیں، ہمارے یہاں عورت کی ایک ہزار ایک مجبوریاں ہوتی ہیں جو اسے ایسے تعلق میں قید رکھتی ہیں۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ مداخلت نہ کی جائے یا اسے روکا نہ جائے میرا مدعا یہ ہے کہ اسے عقل سے پریکٹیکلی حل کیا جانا چاہیے، اپنی سیفٹی اور بیچ میں کودنے کا ممکنہ انجام بھی مدنظر ہونا چاہیے۔ اس وقت جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی۔"

"میں اس معاملے میں اپنے جذبات الگ نہیں رکھ سکتی۔"

"اور میں آپ کے معاملے میں۔" اس کی زبان سے بڑا بے ساختہ فقرہ ادا ہوا تھا۔ ثنا جیسے تھم گئی۔ اس نے یہ بے ارادہ کہا تھا لیکن وہ خجل نہیں تھا نہ بات بدلنا چاہتا تھا۔

"یہ سچ ہے، مجھے یہ خیال ہی پریشان کر گیا تھا کہ اس وقت میں نہ پہنچتا تو کیا ہوتا۔ اگر وہ آدمی آپ پر ٹوٹ پڑتا یا وہ عورت بھی آپ سے الجھ جاتی، کانسٹیبل کچھ دار دار معاملہ فہم نہ ہوتا، چند روپوں کی رشوت کے لیے وہ آپ کو بھی ہراساں کرتا، تھانے لے جاتا...... ایسے معاملات نازک ہوتے ہیں، آپ کی نیت اور خیر خواہی کے لیے احسان مند ہونے والے خال خال ہی ملتے ہیں۔ میری التجا ہے کہ آپ تنہا مصیبت میں کودنے سے گریز کیا کریں۔"

وہ چھ فٹ کچھ انچ قد اور مضبوط جثے والا بندہ ہاتھ باندھ کر کھڑا، کسی مہربان سائے کی طرح گردن جھکائے اسے دیکھ رہا تھا، وہ اپنائیت کا بادل بنا اس کی آنکھوں کی اجنبیت اور حیرت پر برسنے کو بے تاب تھا۔

جانے دونوں میں سے کون پہلے نگاہ چراتا کہ گیٹ کھلنے کی آواز پر دونوں چونک گئے۔ نانا، نانی اور فرحین واپس آئے تھے۔ خبیب اس پر ایک نظر ڈال کر باہر چلا گیا۔

"کہاں مٹر گشتیاں ہو رہی ہیں؟" وہ اپنے ازلی شوخ اور دوستانہ انداز میں بول رہا تھا۔ اس بات پر وہ تینوں ہنس دیے۔

وہ لیپ ٹاپ، کھانے کا لفافہ اور فون اٹھا کر کمرے میں آ گئی۔ سڑک پر رونما ہوا اس کی زندگی بدل دینے والا وہ سانحہ یاد کرنے کے بعد اگلے کئی دن اس کا دل سوگوار رہتا تھا، وہ منظر اور بات اس کی سوچ پر اس قدر حاوی ہوتا کہ وہ کچھ اور سوچ ہی نہیں پاتی تھی۔ یہ اس وقت ہی ہوتا تھا جب وہ اس سے ملتی جلتی کوئی بات یا خبر سن یا دیکھ لیتی مگر اس وقت اس کا دل و ذہن اس بات کو یکسر فراموش کیے کسی نئے مسئلے میں الجھ گئے تھے۔ اس کی آنکھوں سے نیند اڑ گئی تھی۔

وہ اس بات کو اور بات کہنے والے کو سوچنا نہیں چاہتی تھی مگر مسلسل وہی اس کی سوچ پر قابض تھا۔

☆☆☆

اگلے دن صبح دفتر جاتے ہوئے وہ اس مکان کے سامنے سے گزری تو دروازہ کھلا تھا لیکن کوئی دکھائی نہیں دیا۔ وہ کام کی جگہ اور گھر پر خبیب سے بچتی رہی۔ تیسرے دن واپسی پر وہ گھر کے قریب رکشا سے اتر کر کرایہ ادا کر رہی تھی کہ ایک کھلکھلاتے نسوانی قہقہے نے اس کی توجہ کھینچ لی۔ سامنے موٹر سائیکل پر وہی مرد اور عورت سوار تھے۔ عورت اسی مرد کی کمر کے گرد بازو پھیلائے پورے دل سے ہنس رہی تھی جو اس دن اسے پیٹ رہا تھا۔

"دیر ہو رہی ہے میڈم۔" رکشا ڈرائیور نے ٹوکا تو اس نے حیرت پر قابو پا کر پیسے اسے تھمائے۔

اندر آئی تو عنایہ جیسے اس کے انتظار میں بیٹھی تھی۔

"میں نے سنا اس دن آپ نے گلی میں بڑا ہنگامہ کیا۔" وہ بری طرح بوکھلا گئی۔ گھر میں یہ بات کسی کے علم میں نہیں تھی۔ وہ فرحین کو اس سے بے خبر ہی رکھنا چاہتی تھی۔

"لگتیں تو نہیں آپ دوسروں کے پھڈوں میں ٹانگ اڑانے والی۔"

"کس دن؟ کیا ہوا؟" نانی نے گھبرا کے پوچھا۔

"آپ کو بھی نہیں پتا؟"

عنایہ ان کے قریب جا کر خالی کرسی پر بیٹھ گئی۔

تب ہی فرحین صحن میں آئیں۔ ثناء تیزی سے انہیں نظر انداز کرتی اپنے کمرے میں آ گئی۔ اب تو ابا نہیں تھے پھر بھی اس موضوع پر وہ ایک دوسرے سے آنکھ نہیں ملاتی تھیں۔ جانے کون زیادہ شرمندہ ہوتا لیکن وہ دونوں ہی اس وجہ سے ایک دوسرے سے نادم تھیں۔ قصور کسی کا نہ تھا مگر فرحین خود کو مجرم سمجھتی تھیں کہ کیوں انہوں نے ہمت کر کے ثناء کے ساتھ گھر نہیں چھوڑا جو ہوتا دیکھ لیا جاتا۔ کم سے کم بیٹی کی زندگی آج سے مختلف ہوتی۔ اور ثنا کا تو عمر بھر کا ملال تھا وہ نہ ہوتی تو اس کی ماں اس گھر سے نکل سکتی تھی۔

کچھ دیر بعد فرحین کمرے میں آئیں۔

"ادھر آؤ۔" پلنگ پر بیٹھ کر انہوں نے اسے پاس بلایا۔ خاموش رہ کر حالات بدلنے تھے نہ زندگی، فرحین کو یہ بات دیر سے سمجھ میں آئی تھی۔

"تجھے کیوں نہیں بتایا، گلی میں کیا ہوا تھا اس دن؟" بڑی بے آرام کرنے والی صورت حال تھی۔

"ایسے ہی۔"

"ثنا تمہارے ابا کی زندگی میں ہم نے اس پر کبھی بات نہیں کی کہ یہ دونوں کے لیے آسان نہیں تھا ہم اب بھی گزرے وقت کی بات نہیں کریں گے لیکن آج، اس وقت حال میں جو ہوتا ہے، اس پر کیوں ہم ایک دوسرے سے کھل کر نہیں بولتے؟"

"ہمیں اس کی عادت نہیں ہے، ہم نے ہمیشہ کچھ کہے سنا پتا ہی وقت گزارا ہے۔"

"تو یہ عادت بدلتے ہیں بیٹا! وہ برا وقت ختم ہو گیا ہے بیٹا۔ تم اس طرح کا تماشا نہیں دیکھ سکتیں تو

میں تمہیں بیچ میں جا کر اسے روکنے یا مداخلت کرنے سے نہیں روکوں گی اور تم یہ بات مجھ سے شیئر کرو تو بھی مجھے پرانی کوئی یاد تنگ نہیں کرے گی بلکہ تمہارا ایسا کرنا اچھا لگے گا۔"

انہوں نے کڑے ضبط سے خود کو رونے سے روکا ہوا تھا۔

"ٹھیک ہے امی۔" اس کے لیے ماں کی بات سے انکار کہاں ممکن رہتا تھا۔

☆☆☆

اس کی چھوٹی خالہ اپنی دونوں بیٹیوں کے ساتھ آئی تھیں۔ ان کی بیٹیاں عمر میں ثنا سے کافی چھوٹی تھیں۔ خالہ اسکول میں معلمہ تھیں۔ وہ ان کے خاندان کی سب سے خوش مزاج، باتونی اور تعلیم یافتہ ہستی بھی تھیں۔ اس کی خاموشی اور بے زاری کے باوجود ان کا کمال تھا کہ وہ اس سے گفتگو میں چند جملے تو بلوا ہی لیتی تھیں۔ گھر کا ماحول کچھ بدلا سا تھا۔ ہنسی مذاق قہقہے گونج رہے تھے۔

"کاش آپی! ثنا آپ پر چلی جاتی تو یہ رونق صرف آپ کے آنے پر نہ ہوتی۔" وہ ان کی کسی بات پر خفیف سا ہنسی تو خبیب نے کہا۔ باقی سب ہنسنے لگے اور وہ اس کی جرأت پر غصہ ہونے کی کوشش میں سرخ ہوگئی۔

"آپ بڑے سہی لیکن ہماری جنریشن سے ہیں پھر ممی کو آپی کیوں کہتے ہیں؟" خالہ کی چھوٹی بیٹی نے پوچھا۔

"آپی بھی نبیلہ آپی کی جنریشن سے ہیں اور مجھے ان کی طرح ان کی ریلیٹیوز کو بھی آپی کہنے کی عادت ہوگئی تھی۔ ویسے میں آپ کے نانا، نانی کو انکل آنٹی بلاتا ہوں تو پھر آپی کو بھی کیسے آنٹی کہوں؟"

ان کی باتیں جاری تھیں اور وہ درمیان سے اٹھ کر باہر آگئی۔ تب ہی کسی نے گیٹ بجایا۔ اس نے گیٹ کھولا۔ سامنے چوبیس پچیس سالہ عورت کھڑی تھیں۔

"جی کہیے؟"

"خبیب علیم اللہ سے ملنا ہے، وہ یہاں رہ رہے ہیں ناں۔"

"آیئے۔" اس نے اندر آنے کی جگہ دی۔ اندر اطلاع دینے جانے لگی تھی کہ مڑ کر نام پوچھا۔

"شاکرہ۔"

مزید کچھ پوچھے بنا وہ ہال میں آگئی۔

"باہر کوئی خاتون ملنے آئی ہیں۔" اس نے بلند آواز میں کہا۔

"آپ سے۔" سب اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس نے خبیب کی سمت ہاتھ اٹھایا۔

"مجھ سے؟" وہ کچھ سوچتا حیران سا کھڑا ہو گیا۔ تب تک شاکرہ اس کے پیچھے پیچھے دروازے تک آگئی تھی۔ اس نے وہیں سے سلام کیا۔

اسے دیکھ کر سب کے تاثرات بدل گئے۔

"تم یہاں کیا کرنے آئی ہو؟" خالہ نے طنز اور ناگواری سے کہا۔ باری باری سب اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔

"اندر آؤ۔" فرحین نے میزبانی نبھائی۔

"تم دونوں بیٹھو، بات کرو۔" نانا نے خبیب کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا اور سب ہال سے نکل گئے۔

وہ بھی سب کے پیچھے اپنے کمرے میں جانے لگی تھی کہ فرحین نے روکا۔

"بیٹا! مہمان کے لیے چائے بنادو۔"

"جی اچھا۔" وہ باورچی خانے میں آگئی، اس کے پیچھے خالہ بھی تھیں۔

"کیسے بے غیرت اور بے شرم لوگ ہیں! اب کس منہ سے آئی ہے بھلا یہ خبیب سے ملنے؟" وہ الجھ کر انہیں دیکھنے لگی۔

"لو! تمہیں نہیں پتا؟"

"کیا؟"

"خبیب اور شاکرہ سگے بہن بھائی نہیں ہیں۔"

"مجھے ان کے بارے میں کچھ نہیں پتا۔"

"خبیب کی دوسری ماں روایتی سوتیلی ماں

ہے۔ سوتیلی ماؤں کے جتنے ظلم کہانیوں میں سنے پڑھے تھے انہوں نے سارے خُبیب پر ڈھائے بلکہ چند اپنی طرف سے بھی ایجاد کرلیے۔ خُبیب کے ابا کی سرکاری نوکری تھی، مختلف شہروں میں ان کے تبادلے ہوتے رہتے تھے مگر وہ فیملی کو ساتھ نہیں رکھتے تھے۔ پیچھے ان ماں بیٹیوں اور بیٹے کو کھلی چھوٹ اور پوری آزادی تھی اسے نوکر سمجھتے، بھوکا رکھتے، یا قید میں ڈالتے، اتنا ہی نہیں جھوٹی سچی شکایتیں لگا کر باپ بیٹے میں بھی دراڑ ڈال دی تھی۔ اسے بھوکا رکھنے سے لے کر سرد راتوں میں کمرے کے باہر کھڑا رہنے کی سزا سے لے کر اس کی تعلیم رکوانے کی کوشش تک کی تھی۔ سارا خاندان گواہ ہے، آخر چوری دوری کا الزام لگا کر اسے گھر سے نکال دیا۔

تب خُبیب شاید دسویں میں تھا۔ بھابھی کے ابا اور خُبیب کے ابا چچا زاد تھے۔ انہوں نے خُبیب کو اپنے گھر میں رکھا، پڑھائی جاری رکھی۔ وہاں سے نکلنے کے بعد خُبیب بھی بدلا پھر مرنے سے پہلے شاید اس کے ابا کو احساس ہو گیا تھا یا جاتے کیا تھا کہ انہوں نے جو ایک مکان خرید رکھا تھا وہ اس کے نام کر دیا تھا۔ اس وقت تو وہ ویران علاقہ تھا، مکان کی قیمت بھی بہت کم تھی لیکن دس بارہ سال بعد اس علاقے کی ڈیمانڈ بڑھی اور مکان کے دام بھی کئی گنا بڑھ گئے، خُبیب نے اسے بیچا اور نوکری چھوڑ کر کوئی کام شروع کیا تھا۔

آج خُبیب جس مقام پر ہے، اپنی محنت اور حوصلے کی وجہ سے ہے، اس نے برا وقت، برے لوگ دیکھے، ظلم زیادتی سہی لیکن پھر بھی اپنی زندگی بنالی، نوکری چھوڑ کے اپنے کاروبار پر دن رات محنت کی اور اب یہ بے غیرت، موقع پرست اور لالچی لوگ اس کے پاس آرہے ہیں۔ بھابھی کہہ رہی تھیں اس سے پہلے بھی اس کا بھائی آیا تھا کچھ مدد مانگنے۔ اسے تو ملنا ہی نہیں چاہیے کسی سے بھی لیکن خُبیب الگ مزاج کا ہے، بہت......"

ثناء کے سر پر آسمان گرا تھا جس کے تلے وہ پوری طرح دھنس گئی تھی، مارے شرمندگی کے۔

"میں نے بھی اسے ماں یا بہن بھائی کے خلاف بولتے نہیں دیکھا بلکہ وہ کسی اور کو بھی ان کے خلاف بولنے سے روکتا ہے، اس نے کبھی ان کے متعلق شکوے شکایتیں کیں نہ خود پر گزری سنا سنا کر ہمدردیاں سمیٹیں۔ بھائی، بھابھی کی شادی کے وقت وہ کالج میں تھا، ساتھ کچھ کام بھی کرتا تھا، تب بھی تو اتنی بات نہیں کرتا تھا لیکن جیسے جیسے وقت گزرا، وہ بے تکلف ہوا اور زندگی میں کامیابیوں کے ساتھ ساتھ اس کا مزاج آسمان پر نہیں گیا بلکہ وہ زیادہ عاجز اور حلیم ہوتا گیا۔ تب سے دیکھ رہے ہیں اسے، حیران پر حیران کیے جاتا ہے۔"

اس کے آس پاس اپنی آواز گونج رہی تھی۔ وہ پہلی بار زندگی میں اپنی کہی باتوں پر پچھتا رہی تھی۔

"جس کی زندگی پھولوں کی سیج رہی ہو، جس نے ایک محفوظ اور صحت مند ماحول میں اعتماد کے ساتھ زندگی گزاری ہو، اسے محروم اور مجروح لوگوں کے معاملے میں بولنے کا کوئی حق نہیں ہوتا، جس کا کوئی ماضی نہ ہو وہی ایسی موٹیویشنل اسپیچ دے سکتا ہے کہ ساری عمر ماضی کو قصوروار نہیں ٹھہرا سکتے۔"

اسے یہ زعم تھا کہ اس کے اندر تلخی، تاریکی جس وجہ سے ہے وہ کسی اور نے دیکھی نہ سہی ہے، اس کا دکھ یکتا ہے، باپ تو اوروں کے بھی ظالم ہوتے ہیں لیکن نانا، نانی کی خود غرضی اور سب سے بڑھ کر اپنی وجہ سے ماں کو سب سہتے اور برداشت کرتے دیکھنے کا دکھ سب کا نہیں ہوتا۔ اسی زعم میں وہ خُبیب کو سنا گئی تھی اور اب اس کا دل کیا، وہ کسی طرح وقت میں پیچھے جا کر خود کو خاموش کرا دے۔

"خُبیب کی دنیا مثال دیتی ہے لیکن میں کہتی ہوں، انسان کو اتنا بھی سیدھا اور بھولا نہیں ہونا چاہیے ورنہ اس کی ماں اور بہن بھائی جیسے لوگ کبھی سدھریں گے نہیں، انہیں تو اچھا سبق سکھانا چاہیے کہ ان سے عبرت لے کر پھر کوئی ایسا کرنے کی غلطی نہ کرے۔"

دو کپ چائے پتیلی میں کھول رہی تھی۔ وہ اس پر نظریں جمائے شرمندہ تھی۔

"نکالو، میں دے آتی ہوں چائے۔" خالہ نے کہا۔

"دیکھوں ذرا کیوں ملنے آئی ہے وہ۔"

اس نے چائے کے کپ ٹرے میں رکھ کر انہیں تھما دیے۔ ان کے جانے کے بعد بھی وہ وہیں کھڑی رہی۔ اس کا ملال اور پچھتاوا ہر گزرتے لمحے کے ساتھ بڑھتا جا رہا تھا۔ جانے کتنا وقت گزرا ہوگا کہ ہال سے خالہ کی آواز آئی تو وہ ادھر دوڑی لیکن دروازے سے پہلے ہی رک گئی۔ کیسے اندر جا کر اس کا سامنا کرتی اور کیوں؟ ہال میں جا کر کیا کرنا یا کہنا تھا اسے؟ اپنے کمرے میں جانے کے لیے بھی اسے ہال کے دروازے کے سامنے سے ہی جانا تھا۔

"اس کے شوہر کی جاب چلی گئی ہے، پریشانی میں ہے، جاب کا کہنے آئی تھی کہ کہیں لگا دوں یا اپنے پاس کام پر رکھ لوں۔"

"اور تم نے کیا کہا؟"

"کل اپنے آفس بلایا ہے اسے۔"

"خبیب! تم ایسا کرو گے تو ہر بار......"

"آپی!" اس نے رسان سے بات کاٹی۔ "وہ سب باتیں نہ چھیڑیں، میں سب جانتا ہوں۔ کسی کی مدد کرنا کوئی بری بات نہیں ہے۔"

خالہ نے ایک آہ بھری۔

"تو تم نہیں سمجھو گے۔ بھابھی ہر بار فون پر مجھے کہتی ہیں کہ میں نظر رکھوں، کہیں وہ لوگ پھر تمہاری زندگی جہنم نہ بنا دیں۔"

"آپ یقین رکھیں اور نبیلہ آپی کو بھی یقین دلا دیں کہ اب میری زندگی اللہ چاہے تو ہی جہنم ہو سکتی ہے، کسی انسان کو یہ اختیار نہیں سونپا ہے میں نے۔"

وہ پہلی بار اسے اس قدر سنجیدہ دیکھ رہی تھی۔ اب بھی اس کے ماتھے پر شکن نہیں تھی۔ اس کے خوبرو اور جاذب چہرے پر اب بھی اطمینان تھا۔

اس کا فون بجا، وہ جیب سے فون نکال کر اسے دیکھنے لگا تو ثناء تیزی سے دروازے کے سامنے سے گزر کر کمرے میں آ گئی۔ رت جگے اس نے پہلے بھی منائے تھے لیکن وجہ پہلی بار بدلی تھی۔

☆☆☆

اگلی صبح ہال کی کھڑکی سے زینے کو تکتے ہوئے کوئی اسے اکسا رہا تھا کہ باہر جا کر اپنے رویے کی معذرت کر لو لیکن اس کی ندامت اس آواز سے زیادہ بھاری تھی۔ وہ جانتی تھی جلد ہی وہ اپنے گھر چلا جائے گا۔ اس کے بعد اسے دیکھنا اور ملنا ناممکن ہوگا۔ آج سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا کہ اپنے غلط رویے کے لیے معذرت کی ضرورت پڑی ہو۔

"مجھے غلطی کا احساس ہو گیا، کافی ہے، سوری کی کیا ضرورت...... مجھے سچائی کا علم نہیں تھا، آئندہ ایسی کوئی بات نہیں کروں گی۔" اس نے خود کو سمجھانا چاہا لیکن اسے قرار نہیں آیا۔ اسے خبیب سے وہ سب کہتے ہوئے اپنا انداز بھی یاد تھا جس میں اسے حاصل مراعات، سہولیات اور محبتوں کے لیے طنز تھا۔ وہ اسے برا محسوس کرانا چاہتی تھی کہ وہ محروم تھی، جب کہ اسے سب میسر تھا لیکن اب اسے یقین کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ ایک مجروح اور ہر طرف سے تنہا کر دیا گیا بندہ اس قدر مثبت اور خوش مزاج کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کا ذہن اس سچ کو قبول کرتے ہوئے حیران اور متامل تھا۔

اپنی کہی تیری باتیں اب اسے ہی چبھ رہی تھیں۔ اسے مشکل اور تکلیف سے ناآشنا سمجھ کر اپنے زخموں کی نمائش کر کے، درد جتا کر اس نے جو اس کی زندگی کا مذاق اڑایا تھا، خود کو اپنے رویے اور مزاج پر برحق ثابت کیا تھا، وہ سب کچھ اب اس کا دل چھل رہا تھا۔ جب ہم اپنے غم کے زعم میں خود کو دنیا کا ستم زدہ اور مغموم انسان مان لیتے ہیں تو باقی کے دکھ ہماری نظر میں خود بخود کم تر ہو جاتے ہیں۔ اپنے دکھوں اور غموں کی وجہ صرف دوسروں کو مان لیتے ہیں تو ان کی تذلیل کرنا، انہیں نیچا دکھانا، انہیں تکلیف پہنچانا بھی اپنا حق سمجھ لیتے ہیں، جیسا وہ نانا نانی کے ساتھ کرتی

تھی۔ انسان کی فطرت یہاں بھی اپنے رنگ دکھاتی ہے۔ میرے ساتھ اتنا برا ہوا۔ میں ساری دنیا کے ساتھ برا کر سکتا ہوں۔

خبیب زینے اتر کر اس کے سامنے رکا تو وہ چونکی۔ وہ اپنے خیالوں میں غرق ہال سے نکل کر زینے کے پاس آن کھڑی تھی۔

"کیا بات ہے، آج میرے جانے کا ویٹ نہیں کیا؟" وہ عادتاً خوش دلی سے مسکرایا۔ اس کے چہرے پر حیرت پھیل گئی۔

"دیکھیں اُدھر۔" اس نے اس کے عقب میں کھڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

"ہال کی لائٹس بند ہونے کے باوجود بھی وہاں کھڑا انسان دکھائی دیتا ہے۔" وہ پانی پانی ہوگئی۔

"آج کیا آپ بھی جاگنگ کے لیے چلنا چاہتی ہیں؟"

"مجھے لگا تھا، آپ چلے گئے ہیں۔" اس نے جیسے تیسے منہ کھول کر پراعتماد اور عام انداز میں جھوٹ کہا۔

"ویسے روز اندر کھڑے رہ کر ٹانگیں دکھانے کے بجائے آپ وہاں چیئر پر یا ادھر منڈیر پر بھی بیٹھ سکتی ہیں۔"

"اوکے۔ کل سے نہیں کھڑی رہوں گی۔"

"مطلب یہاں زینے پر بیٹھیں گی یا چیئر پر؟"

"آپ کو دیر ہو رہی ہے۔" اس نے لہجے میں مصنوعی بےزاری سموئی۔

وہ پھر مسکراتے ہوئے، فرنگیوں کی زبان میں اسے اچھا دن گزارنے کی دعا دیتا چلا گیا۔ وہ خود کو سنبھالتی فوراً سیڑھی پر بیٹھ گئی۔

"یہ کیا ہو گیا تھا آج مجھے!"

دن بھر سوچتے رہنے کے بعد آخر اس نے مان لیا کہ کسی سے معذرت کرنے اور اس کے سامنے اپنی غلطی قبول کرنا بڑا مشکل کام ہے۔

☆☆☆

اس نے کرسی پر اپنا بیگ رکھا اور باورچی خانے سے جا کر چائے اور پراٹھا لے آئی جو فرحین نے اس کے لیے بنا رکھا تھا۔

نانا صحن میں اخبار پڑھ رہے تھے۔ نانی صوفے پر لیٹی تھیں اور فرحین فرش پر بیٹھی سبزی صاف کر رہی تھیں۔ جو کچھ دیر پہلے نانی بازار سے لائی تھیں۔

وہ ذہن میں آج کیے جانے والے کام ترتیب دے رہی تھی کہ نانی کی بات پر ادھر متوجہ ہوگئی۔

"اچھا کیا خبیب نے۔"

"سچ کہوں اماں! تو مجھے ذرا بھی یقین نہیں تھا کہ وہ سب دیکھ کر دردانہ جیسی ہٹ دھرم اور ضدی لڑکی مانے گی۔"

"ایک آدھ فوٹو یا زبانی بات ہوتی تو نہ مانتا تھا اس نے لیکن خبیب نے تصویروں کے ساتھ ساتھ اسی وقت فون پر دوسری لڑکی سے بات کرادی۔ وہ اچھا ہوا۔"

"شکر ہے زبیدہ کی فکر ختم ہوئی۔ میں نے کہا ہے، کوئی رشتہ دیکھ کر جلد شادی کردو۔ کہہ رہی تھی شوہر آجائیں تو منگنی کرواہی دے گی، کوئی رشتہ ہے اس کی نظر میں۔"

"کہیں خبیب کے لیے تو نہیں کہہ رہی؟" نانی اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ "اسے غلط فہمی نہ ہوگئی ہو کہ خبیب یہ سب دردانہ کے لیے کر رہا ہے یا وہ اتنا نیک اور اچھا انسان ہے کہ اس شادی کے لیے تیار ہو جائے گا۔" انہوں نے سر پر ہاتھ رکھا۔

"جس طرح وہ کہہ رہی تھیں اور جیسے خبیب کا ذکر کرتی ہیں اس سے پل بھر کو مجھے بھی یہی خیال آیا تھا اماں!"

"اس کی نیک نیتی اور زبیدہ کی غلط فہمی بات بگاڑ دے، اس سے پہلے بتا دو اس کو کہ اس کی ماں نے اسے چھوڑ کر، طلاق لے کر جس سے شادی کی تھی اس کے بارے میں افواہیں تھیں کہ وہ گلی محلے کا ہی کوئی آدمی تھا، اس لیے وہ کسی ایسی لڑکی کو کبھی پسند نہیں کرے گا۔ مدد کرنا اس کی فطرت ہے اور پھر

یہاں تو زبیدہ نے باقاعدہ اس سے لڑکے کے بارے میں پتا کرنے کہا تھا۔"

پراٹھے کا نوالہ ثناء کے حلق میں اٹک گیا۔ اس نے پانی سے اسے نیچے دھکیلا اور ناشتہ چھوڑ کر کرسی سے ٹیک لگالی۔ یہ کیسا انکشاف تھا۔

"میں باتوں باتوں میں اس کا ارادہ معلوم کرتی ہوں، ایسا کچھ لگا تو اپنے طریقے سے سمجھا دوں گی۔" فرحین نے کہا۔

اس کی بھوک مرگئی تھی۔ اس نے بیگ اٹھایا اور خدا حافظ کہہ کر باہر نکل گئی۔

وہ جتنا سوچ رہی تھی، خُبیب کا رویہ اسے حقیقت سے دور لگ رہا تھا۔ ان سب سے گزرنے کے بعد کوئی اس جیسا کیسے ہوسکتا ہے جیسا وہ تھا۔ یا تو وہ بہت بڑا اداکار تھا یا اس کے متعلق سنی ساری باتیں جھوٹ تھیں۔

رات میں فرحین اس کے پاس آئیں تو اس سے رہا نہیں گیا۔

"آپ اور تائی جو بات کررہی تھیں، خُبیب کی امی کی تو ان کی امی اب کہاں ہیں؟ وہ ملتے نہیں ان سے؟" فرحین کو اس سے ایسے سوال کی امید نہیں تھی لیکن انہیں بیٹی کا دلچسپی لینا اچھا لگا۔

"دوسری شادی کے بعد اس نے کبھی پلٹ کر نہیں دیکھا۔ سنا ہے اسی شہر میں رہتی ہے، تین بیٹے ہیں اس کے بھی۔" کچھ سوچ کر انہوں نے کہنا جاری رکھا۔

"خُبیب کو جب انہوں نے گھر سے نکالا تو بھابھی کے ابا نے کوشش کی تھی کہ ماں اسے اپنے ساتھ رکھ لے لیکن اس نے صاف انکار کردیا تھا، وہ اسے سڑک پر تو نہیں چھوڑ سکتے تھے، اس لیے اپنے گھر لے گئے۔ اس کے کچھ وقت بعد ہی خبیب کے ابا کو کینسر ہوگیا تب بھابھی کے ابا کے سمجھانے پر ہی انہوں نے وہ ایک مکان اس کے نام کردیا تھا لیکن ان کی بیوی اور بچوں کا ایسا مزاج اور دبدبہ تھا کہ وہ بیٹے کو واپس گھر نہیں بلاسکے۔ بھابھی کے ابا نے ہی اسے پڑھایا، بعد میں وہ خود ہی چھوٹی موٹی نوکریاں کرکے اپنا خرچ اٹھاتا رہا۔"

"تو اب وہ ممانی کی فیملی کے ساتھ کیوں نہیں رہتے؟"

"تمہیں نہیں پتا ہے، بھابھی کے ابا کے انتقال کے بعد اس کا بھائی مکان بیچ کر اپنی سسرال والے شہر چلا گیا ہے۔ وہاں سالے کے ساتھ کوئی کاروبار کرتا ہے۔ وہ دو ہی تو بہن بھائی تھے۔ بھابھی کی امی بیٹے کے پاس ہیں۔" اسے واقعی کہاں کچھ پتا تھا۔

☆☆☆

وہ دفتر گئی تھی اور وہاں سے خُبیب کے ساتھ دوپہر میں اسے شوروم جانا تھا لیکن وقت سے پہلے اس کا پیغام موصول ہوا کہ بہ وجہ وہ آج آنہیں سکے گا۔ وہ خود ہی اپنی پسند سے لے لے۔ وہ اور اسٹرن ساری خریداری کرکے گھر پہنچے تھے۔ پردے، تکیے، اور میٹس جیسی چیزیں تھیں۔ وہ چیزیں اس نے اور اسٹرن نے مل کر جگہوں پر لگائیں اور سجائیں۔ وقت ہوگیا تو اس نے اسٹرن کو چھٹی دے دی۔ بقیہ کام ختم کرنے کے بعد اس نے ہال کے درمیان کھڑے ہوکر چاروں سمت نظر دوڑائی۔

ڈرائنگ ایریا اور ہال کے بیچ صرف دروازے کا چوکھٹ تھی، پٹ نہیں تھے۔ پردے کریم اور سلور تھے، ایل شیپ صوفے کا رنگ چارکول گرے تھا۔ تھیٹنڈ کریم کلر کے مختلف ڈیزائن کے چوکور اور مستطیل کشن رکھے تھے۔ صوفے کے سامنے سلیک سی کانچ کی کافی ٹیبل تھی اور اس کے نیچے زرد گرے اور نارنجی رنگوں کا جیومیٹریکل ڈیزائن والا رگ بچھا تھا، سامنے دیوار پر بچپن انچ کا ٹی وی لگا تھا۔ جس کے نیچے ووڈ فنیشنگ کا مختصر سا یونٹ بنا تھا۔

صوفے کے پیچھے دیوار پر بڑی سی ابسٹر یکٹ پینٹنگ تھی۔ سیرامک گملوں میں مختلف قسم کے پام کے پودے تھے اور کچھ سکیونس تھے۔ اکثر کلائنٹس کو ایسا گھر بہت خالی لگتا تھا۔ ڈیکوریشن پیسز اور نئی نئی چیزوں کے لیے وہ بہت خوار کراتے تھے۔ عموماً امیر

کبیر طبقہ ہی انٹیریر ڈیزائنر یا فرم کی خدمات حاصل کرتا ہے، یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو دیواروں اور ٹائیلوں والا خالی مکان ان کے حوالے کر کے اسے ایک مکمل، پر آرائش، رہنے لائق گھر کی صورت میں واپس چاہتے تھے۔

متوسط طبقے کا کوئی کلائنٹ آتا بھی تو ان کا کام مختصر سا فرنیچر یا زیادہ تر ماڈرن کچن تک محدود ہوتا تھا۔

یہ پہلا موقع تھا کہ ایک اچھے بجٹ کے باوجود چیزوں کے انتخاب میں قیمتی، یونیک یا ٹرینڈنگ کا دخل نہیں تھا نہ کسی چیز کو خریدتے ہوئے پیسے کی نمائش مقصود تھی۔ سب کچھ مکمل تھا، صرف ماسٹر بیڈروم کا ایک پیس باقی بچا تھا۔ جس کے بعد اس کا کام ختم تھا۔

''وارم، ویلکمنگ اینڈ کمفرٹیبل!'' اس نے دل میں خبیب کے الفاظ دہرائے اور اس کی گردن ذرا سی تن گئی کہ واقعی سب کچھ ایسا ہی لگ رہا تھا۔ وہ ایک ایک چیز کو دیکھتی، سراہتی چھوٹے قدم اٹھاتی صوفے کے پاس آئی اور جھجکتے ہوئے بیٹھ گئی۔

وہ لوگوں کے گھر سجاتی تھی لیکن کبھی اس کے اندر اپنے لیے پر آسائش اور پر آرائش گھر کی خواہش نہیں جاگی تھی۔ اس پیشے کا انتخاب بھی کسی شوق یا دلچسپی کی وجہ سے نہیں ہوا تھا۔ جس کالج میں وہ داخلہ لینے گئی تھی وہاں اسی سال سے بی اے کے مضامین میں 'انٹیریر ڈیزائننگ' متعارف ہوا تھا۔ ایڈمیشن ڈپارٹمنٹ اس کی پر زور تشہیر کر رہا تھا۔ اس مضمون میں سب سے کم داخلے تھے بس یہی دیکھ کر اس نے اسے چنا تھا۔

اس پر بھی دوران تعلیم اپنی صلاحیت اور ہنر واضح ہوا تھا جس نے اسے اس میدان میں کامیاب کیا تھا۔ ان کا چھوٹا سا فلیٹ فرحین کے سلیقے کا مظہر تھا، صاف ستھرا اور با ترتیب لیکن گھر کے تصور سے جو محبت، سکون، تحفظ اور رشتوں کا احساس جڑا ہے وہ اس کے گھر میں اور نتیجتاً اس کے اندر بھی مفقود تھا۔ اسے گھر سے کوئی جذباتی انسیت نہیں تھی۔

اس وقت پہلی بار گھر کے ساتھ اس کے اندر کوئی احساس جاگا تھا۔ خبیب کے الفاظ دہراتے ہوئے اس نے سوچا تھا، واقعی گھر ایسا بھی ہوتا ہے جہاں دنیا سے بچ کر چھپ کر سکون کے پل گزارے جا سکتے ہیں۔ ایسا گھر جو جائے پناہ ہو، وہ جو ایک تھکے ہارے انسان کے لیے باہیں پھیلاتا محسوس ہو اور ایسا گھر خواب نہیں حقیقت میں اس کے سامنے تھا۔ وہ صوفے پر ہاتھ رکھ کر ہتھیلی دور کرتی جا رہی تھی اسے احساس ہی نہیں ہوا کہ پھسلتے ہاتھ کے ساتھ وہ بھی جھکتی جا رہی ہے۔ آخر اپنے پھیلے بازو پر سر رکھے اس نے آنکھیں موند لی تھیں۔

جانے کتنی دیر بعد اسے ہوش آیا کہ وہ صوفے پر لیٹ گئی ہے، اس نے جھٹ سے آنکھیں کھولیں۔ چوکھٹ میں وہ سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ وہ کب آیا اسے خبر بھی نہیں ہوئی تھی۔

''کتنا ٹائم میں ایسے ہی تھی۔'' اس نے شرمندگی سے سوچا۔

''سوری۔'' اس نے ہتھیلی پھیر کر آگے آئے بال پیچھے کیے اور کھڑی ہو گئی۔

''میں بھی شاید یہی سب پسند کرتا۔'' اس نے سوری کے جواب میں کوئی بات نہیں، اٹس او کے جیسی بات کہہ کر دریا دلی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے چاروں سمت دیکھتے ہوئے بات بدل دی۔

''تھینک یو۔ لیکن ماسٹر بیڈروم اب بھی کافی خالی ہے، اس کے لیے آپ کو ساتھ چلنا ہو گا۔ وہ لاسٹ کام بچا ہے، اس کے بعد گھر کی چابیاں آپ کو دے دی جائیں گی۔''

''ہمم۔'' اس کی ہنکار کسی خیال کا وزن تھا۔

شاید یہ ان کی آخری سے پہلے والی ملاقات تھی اور موقع بھی تھا۔ اس کے بعد جانے موقع ملتا یا نہ ملتا۔

''اس دن میں نے بہت غلط اور ہارش جملے کہے تھے، جن کے لیے دل سے معذرت خواہ

ہوں۔" اس نے سر اٹھا کر کہنا شروع کیا تھا مگر جملہ ختم ہونے تک پھر جھکا لیا۔

"مجھے برا نہیں لگا تھا اس لیے سوری کی بھی ضرورت نہیں ہے۔"

"میں نے آپ کو طعنہ دیا تھا کہ آپ کو زندگی نے کوئی زخم نہیں دیے......" وہ ذرا ٹھہری۔

"یہ بہت غلط اور ان سینسیٹو بات تھی اس کے لیے میں شرمندہ ہوں۔" جب غلطی کا احساس تھا تو معافی بھی خانہ پری کے لیے نہیں بلکہ سلیقے سے مانگنا ضروری تھا۔

"وہ غلط نہیں تھا کہ آپ لاعلم تھیں۔"

"میں اب بھی سمجھ نہیں پا رہی ہوں، اتنا سب سہنے کے بعد آپ کے اندر ان لوگوں کے لیے غصہ، نفرت اور تلخی کیوں نہیں ہے؟" اسے یہ جاننا ہی تھا۔

"آپ کیسے کہہ سکتی ہیں، میرے اندر یہ سب نہیں ہے؟" خبیب نے اب بھی عادتاً مسکرا کے پوچھا تھا لیکن پہلی بار ثنا کو اس مسکراہٹ میں اداسی گھلی محسوس ہوئی۔

"پھر کیسے آپ نے ان سے نارمل بات کی اور مان بھی گئے؟"

"یہ میرا خود سے وعدہ ہے کہ آنکھ کے بدلے آنکھ والا اصول نہیں اپناؤں گا۔"

"آپ بدلہ نہ لیں، ان کے ساتھ برا نہ کریں لیکن اس طرح بھی تو بی ہیو نہیں ہوتا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو، مجھ سے تو نہیں ہو پایا آج تک۔۔۔۔ بہت مشکل بلکہ ناممکن لگتا ہے۔"

"جب تک ہم اس کی خواہش یا کوشش نہ کریں سب کچھ ناممکن اور مشکل ہی ہے۔ ہماری مرضی اور سعی اسے آسان بناتی ہے۔"

"لیکن کوئی کیوں اپنے مجرموں اور گنہگاروں کے ساتھ رہنے یا نبھانے کی کوشش بھی کرے؟" اس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

"اپنے سکون کے لیے۔"

"جنھیں دیکھتے ہی دل میں ابال اٹھے، اپنا برا وقت یاد آ جائے، وہ ہمارے سکون کا باعث بن ہی نہیں سکتے۔"

"ثنا! سکون کے لیے، حقیقت کتنی ہی تلخ اور کڑوی ہو، لوگ کتنے ہی برے کیوں نہ ہوں انہیں اسی حال میں قبول کرنا پڑتا ہے۔ وہ میرا مجرم تھا، بس تھا، اس نے میری زندگی عذاب کر دی تھی، بس کر دی تھی اور کیا میں اِس پَل، اُس وقت کو بدل سکتا ہوں، نہیں۔ اس سچائی کے پیچھے میری بقیہ زندگی پھر ایک عذاب میں گزرے، کیا میں یہ ہونے سے روک سکتا ہوں، بالکل۔ میری زندگی کے دس بارہ سال جہنم میں گزرے ہیں، اب میں اپنی جنت بنانا چاہتا ہوں۔ مجھے اس جنت کی چاہت ہے، قدر ہے جو ان دس بارہ سالوں میں مجھے خواب لگتی تھی۔" وہ الجھے سے تاثرات لیے اسے دیکھ رہی تھی۔

"میں کوئی ولی یا فرشتہ صفت انسان نہیں ہوں، میں بھی خود غرض ہوں۔ مجھے بھی ان سب کو دیکھ کر غصہ آتا ہے، کبھی کبھی میرا بھی دل چاہتا ہے انہیں جا کر دکھاؤں کہ دیکھیں میں کتنا کامیاب ہوں، کس مقام پر ہوں، ہر لحاظ سے ان سے بہتر ہوں۔ مجھے اندر سے کوئی اکساتا ہے کہ ان کی مدد نہ کروں۔

وہ میرے پاس آئیں تو میں انہیں دھتکار دوں، انہوں نے میرے ساتھ جو کیا، وہ یاد دلاؤں لیکن ایسا کرنے سے انہیں کوئی احساس ہو، نہ ہو میرا سکون ضرور برباد ہو گا۔ وہ سب دہراتے ہوئے کئی دن کڑھتا اور سوچتا بھی رہوں گا۔ میرے اندر بھی کبھی یہ جنگ بڑی شدت سے چلتی ہے لیکن پھر آخر میں میری زندگی سے اور خود سے محبت جیت جاتی ہے۔" وہ ایک قدم اٹھا کر قریب آیا۔

"آپ کا مسئلہ یہ ہی ہے کہ آپ کو زندگی سے محبت ہے نہ خود سے۔ اب تو برا کرنے والا کوئی نہیں ہے، برے دن گزر گئے ہیں، آپ کا مجرم نہیں رہا یا جو ہیں، وہ خود قابل رحم ہیں، زندگی کا کنٹرول آپ کے ہاتھ میں ہے پھر بھی آپ اسی طرح جی رہی ہیں جس طرح ماضی میں جی رہی تھیں، آپ نے کنٹرول اب

بھی اس مجرم کو تیمار رکھا ہے جس کی وجہ سے آپ کی زندگی تلخ اور دکھی تھی۔

سمجھ اور میچوریٹی آنے کے بعد سب کچھ ہمارے اپنے ارادے اور سوچ پر ہوتا ہے۔ ہم کس مقام پر ہوں گے، یہ ہمیں طے کرنا ہوتا ہے۔ تلخیوں اور وقت و حالات کی ستم ظریفی تلے دب جانا ہے یا اس ڈھیر پر کھڑے ہو کر اپنا قد بڑھانا ہے، یہ فیصلہ ہمارا ہوتا ہے۔"

"آپ شاید سب سے مختلف اور الگ ہیں ورنہ عام انسان......"

"میں آپ کی سوچ سے زیادہ عام ہوں۔" ضیب نے بات قطع کی۔

"جسے ایجنسیں یا ایڈونچر نہیں بلکہ ایک بورنگ زندگی کی خواہش ہے۔ جس میں کام کروں، محنت سے کماؤں، میری ایک فیملی ہو، بچے ہوں، میں انہیں خوش رکھوں، ان کے ساتھ خوش رہوں، اتنی عام سی اور بورنگ زندگی چاہیے مجھے۔" اس کا لہجہ وہ خواہش بھی عیاں کر رہا تھا جو اس نے بیان نہیں کی تھی۔

"آ......آپ نے......" اس کے اندر ہلچل مچی تھی لیکن اس نے ہمت کی۔ اسے اس پر شدید حیرت تھی۔ اس کے اندر کسی بات نے گرہ کیوں نہیں ڈالی تھی، اس کے کسی عمل میں ماضی کی سیاہ پرچھائیں کیوں نہیں تھی جب کہ اس کا ماضی اس سے زیادہ تاریک اور پراذیت تھا۔

"دردانہ کے لیے وہ سب کیوں کیا؟"

"مجھے زبیدہ آنٹی نے وہ کام دیا تھا اور نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔" اس نے بغور ضیب کو دیکھا اور وہ اس کی نگاہوں کا سوال جان گیا۔

"میری ماں نے مجھے چھوڑا، اس لیے میری زندگی اس اذیت میں گزری اور آپ کو آپ کی ماں نے نہیں چھوڑا، اس لیے آپ نے اذیت سہی...... آپ کو ان دونوں میں سے کون سا فیصلہ درست لگ رہا ہے؟"

اس کے پاس جواب نہیں تھا۔

"فیصلے بھی وقت، حالات اور لوگوں کی وجہ سے صحیح یا غلط ہوتے ہیں۔ اپنی ماں، پھر سوتیلی ماں اور بہنوں کی وجہ سے میرے لیے بھی عورت پر اعتبار کرنا مشکل تھا، بہت سا وقت میں نے دنیا کی تمام عورتوں سے نفرت کرتے، بچتے ہوئے گزارا لیکن پھر مجھے اچھائیاں بھی نظر آئیں اور میں نے یہاں ہٹ دھرمی نہیں دکھائی کہ مجھے عورت سے نفرت ہی کرنا ہے۔ برائی کو برائی کی طرح اور اچھائی کو اچھائی کی طرح قبول کیا، یہ اتنا سادہ اور آسان ہے۔"

"سچ کہوں، آپ مجھے ریئل نہیں لگتے۔" آہستگی سے کہیں اس کے اندر غصہ سر ابھار رہا تھا۔

"اس لیے کہ میری اسٹرگل نظر نہیں آتی، میں فیک ہوں؟ اس اسٹرگل سے لڑ کر ایسا بننا میری چوائس ہے کہ مجھے کسی کے ساتھ برا یا غلط نہیں کرنا، کسی کو مایوس اور ناامید نہیں کرنا، بدلے نہیں لینے، نفرت کو زندگی میں جگہ نہیں دینی، ماضی کو گلے سے نہیں لگائے رکھنا۔"

"کیا ضرورت ہے اتنا اچھا بننے کی؟"

"یہ اچھا بننے کی کوشش نہیں ہے، میں نے زندگی کو ایسے جینا طے کیا ہے جس میں منفیت نہ ہو، سکون ہو۔ گئے وقت اور ان لوگوں کو میں اتنی اہمیت نہیں دینا چاہتا کہ وہ اب بھی میری زندگی برباد کریں۔ آپ بھی کر کے دیکھیں اچھا لگے گا آپ کو اور...... مجھے بھی۔" غصہ پوری طرح بیدار ہو گیا تھا۔

"پہلے ہی آپ مجھے بہت ٹرائیل کروا چکے ہیں، اب بھی کروا رہے ہیں۔"

"بخدا میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا نہ ہے، میں آپ کو سب کو معاف کرنے بھی نہیں کہہ رہا نہ بھی کہوں گا کہ یہ فیصلہ سراسر آپ کا ہونا چاہیے لیکن......" اس نے ذرا وقفہ لیا۔

"آپ اپنے آس پاس تو دیکھیں، زندگی کو محسوس کریں، جو گزر گیا ہے اسے پکڑ کر نہ رکھیں چھوڑ دیں، گھر میں سب آپ کو ہنستا مسکراتا دیکھنا چاہتے ہیں، آپ سے محبت کرتے ہیں جن میں میرا بھی شمار

ہے۔'' اس ناگہانی پر وہ ساکت ہوگئی۔ اسے ذرا امید نہیں تھی وہ اتنے آرام سے کہہ دے گا۔

''فرسٹ ٹائم اس دن آپ کو سیڑھی پر دیکھتے ہی میں جانتا تھا آپ کچھ خاص ہیں، میرے لیے خاص ہیں۔'' وہ اپنے کان پر ہاتھ رکھنا چاہتی تھی، اس کا منہ بند کرنا چاہتی تھی لیکن نہ ہاتھ اٹھ رہے تھے نہ زبان ہل رہی تھی۔

''آپی سے آپ کی فرم کا نام اور آپ کا پروفیشن جاننے کے بعد میں نے پرانا کانٹریکٹ منسوخ کر کے آپ کی فرم کو ہائر کیا تھا، گھر میں تو آپ دیکھنے، سننے کی روادار نہیں تھیں، بات کرنا تو دور۔'' وہ جیسے آج ہی سب کہنے کی ٹھان چکا تھا۔

''مجھے ابھی آپ کا جواب نہیں چاہیے لیکن خیال رکھیں، مجھے آپ کا ساتھ چاہیے ساری زندگی کے لیے، ہمیشہ کے لیے۔''

اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ اس کی زندگی میں یہ وقت بھی آئے گا کہ کوئی اس کے ساتھ کی خواہش کرے گا۔ اس کا دل بھی بہکنے لگا تھا۔

''اب گھر چلیں۔'' اس نے مسکرا کر یوں کہا جیسے ذرا دیر پہلے ان کے بیچ عام سی باتیں ہو رہی تھیں۔

اس دن وہ چپ چاپ اس کی کار میں گھر آئی تھی۔ ان دونوں کو ساتھ دیکھ کر فرحین کی خوشی کا ٹھکانا نہیں رہا تھا مگر انہوں نے اظہار نہیں کیا۔

وہ ساری رات جاگتی رہی۔ اس کی باتیں اور اپنی زندگی سوچتی رہی اور اسے لگا وہ واقعی کوتاہ نظر انسان تھی جو زندگی کو نظر انداز کر رہی تھی۔ نانا، نانی کے ساتھ روا اس کا بدصورت رویہ اتنا بھی جائز نہیں تھا خاص طور پر اس وقت جب ان کے چہرے پر اس فیصلے کا پچھتاوا لکھا تھا۔

☆☆☆

اگلے دن صبح صبح، فجر سے ذرا پہلے اچانک نانی کی طبیعت بگڑ گئی۔ فرحین نے خبیب کو فون کیا۔ وہ فوراً نیچے آیا۔ انہیں اسپتال لے جایا گیا۔ نانا بھی ساتھ گئے تھے۔ گھر میں وہ اکیلی تھی۔ سات بجے کے قریب باہر گاڑی کی آواز آئی تو وہ صحن کی طرف دوڑی۔

''آنٹی نے کہا ہے، آپ کو لے کر آؤں۔''

خبیب کی بات پر پہلی بار کسی خیال کے تحت اس کا دل ڈوبا۔ وہ اس کے ساتھ اسپتال پہنچی تو فرحین بھیگی آنکھیں لیے اس کی منتظر تھیں۔

''اماں سے بات کرو، ان کی سن لو اور پلیز ان سے وہی کہنا جو وہ سننا چاہتی ہیں۔'' ان کا التجائیہ لہجہ اسے بے قرار کر گیا۔ وہ تو اسے حکم دینے کا حق رکھتی تھیں۔

''جی امی۔'' وہ انہیں مطمئن کرتی اندر چلی گئی۔

''ثنا!'' اسے دیکھتے ہی نانی نے ہاتھ اٹھایا۔ وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر اسٹول پر بیٹھ گئی۔

''تمہیں اپنے نانا نانی سے ناراض ہونے کا پورا حق ہے بیٹا۔ ہمیں تم سے شکایت نہیں ہے نہ ہی ناراض ہوئے تم سے، بس تمہیں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ تم مجھے بہت پیاری ہو، تمہیں باپ کے پاس چھوڑنے کا اس لیے نہیں کہا تھا تم سے محبت نہیں تھی لیکن اس وقت تمہاری محبت پر دنیا کا چلن اور دوسری ذمہ داریاں بھاری پڑ گئی تھیں۔'' وہ رو رہی تھیں۔

''ہم نے آس پاس جو ماحول دیکھا تھا، جیسا میاں بیوی کا تعلق دیکھا، اس سے یہ ہی سمجھا تھا کہ چار باتیں اچھی ہوں تو دو بری باتیں برداشت کر لینا چاہئیں، وہ ہی اپنی اولاد کو سکھایا، انہیں اسی کا درس دیا تھا مگر تم اپنی اولاد کو یہ نہ سکھانا۔'' گلے میں پھندا سا پڑا تو وہ رک گئیں۔

''اس سبق میں ہم نے روح کے زخم اور ایک ننھے ذہن پر ہونے والے اثر کو ان دیکھا کر دیا تھا۔ اپنی اس غلطی کے لیے میں تم سے معافی چاہتی ہوں بیٹا! تمہارے نانا بھی اس فیصلے پر پچھتاتے ہیں، ہم عمر کے آخری پڑاؤ میں ہیں، کب آنکھ بند ہو جائے کچھ خبر نہیں، اس غلطی کے لیے ہمیں معاف کر دو۔''

"معافی نہ مانگیں نانی امی!" اس نے کہا تو اپنی بھیگی آواز پر وہ خود بھی حیران رہ گئی۔ جانے کتنے برسوں بعد اس نے انہیں نانی کہہ کر بلایا تھا۔

"میرا رویہ بھی آپ دونوں کے ساتھ اچھا نہیں تھا، معاف آپ مجھے کر دیں۔"

تب ہی کسی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ اس نے سر اٹھایا۔ وہ نانا تھے۔ بھیگا چہرہ اور برستی آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھ رہے تھے۔ اس نے ان کا ہاتھ سر سے ہٹا کر تھام لیا۔

"سوری نانا۔" وہ رو رہی تھی۔

چند لفظوں کی ضرورت ہوتی ہے لیکن انہیں کہنے میں ہم صدیاں لگا دیتے ہیں۔

☆☆☆

نانی کی طبیعت سنبھل گئی تھی۔ ایک دن اسپتال میں گزارنے کے بعد وہ گھر آ گئیں۔

صبح جب وہ دفتر جا رہی تھی تو نانا نے بتایا کہ خبیب آج ان تینوں کو اپنا گھر دکھانے لے جا رہا تھا۔

"تم بھی آ جانا، دیکھ لینا۔"

"نانا!" خبیب نے اب تک بھی کسی کو نہیں بتایا تھا۔ "میرا کام وہیں چل رہا تھا۔"

"ہیں!" ان تینوں نے بیک وقت حیرت کا اظہار کیا۔

"میں نے منع کیا تھا کہ گھر میں کسی کو نہ بتائیں۔" اس نے بیگ اٹھایا۔ "آج مجھے نئی سائٹ پر جانا ہے، میں نہیں آ پاؤں گی۔"

وہ مزید سوال جواب سے بچتے اللہ حافظ کہتی باہر نکل گئی۔ گھر کی چابی اب بھی اس کے پاس تھی جو اسے لوٹانا تھی لیکن اس سے پہلے اس کمرے کی خالی جگہ کے لیے کچھ فائنل کرنا تھا۔

"تمہیں اسے جواب بھی دینا ہے۔"

اندر کسی نے یاد دلایا تھا۔ اس دن کے بعد خبیب نے سوال دہرایا تھا نہ ان باتوں کا دوبارہ ذکر چھیڑا تھا۔ اس نے اسے نانا، نانی کے ساتھ باتیں کرتا دیکھ کر بھی کچھ نہیں جتایا تھا۔

شام میں وہ کچھ جلدی گھر آ گئی تھی۔ فرحین کے پیغام کے مطابق وہ سب خبیب کے گھر گئے تھے۔

"مجھے آپ سے کچھ کام ہے؟" وہ گیٹ کھول رہی تھی تب پیچھے سے کسی نے اسے مخاطب کیا۔ وہ چودہ پندرہ سال کا لڑکا تھا۔ اس نے دور سے اسے دیکھا تھا، وہ کنارے کھڑا تھا۔ وہ اسے نہیں جانتی تھی اس لیے حیران ہوئی۔

"کیا کام ہے؟"

"ہم اندر بات کریں؟" وہ کچھ گھبرایا سا تھا۔

"کس بارے میں بات کرنا ہے؟" وہ یونہی کسی کو بھی اندر نہیں لے جا سکتی تھی جب کہ گھر میں کوئی اور تھا بھی نہیں۔

"اس دن آپ نے پولیس کو فون کیا تھا۔" اس کے چہرے پر پھیلی سراسیمگی اس کے لیے مانوس تھی۔

"آؤ۔"

اس دن تماش بینوں میں ذیشان بھی تھا۔

"میرے ابو بھی امی کو بہت مارتے ہیں، وہ کسی سے نہیں نہ ہمیں کسی کو بتانے دیتی ہیں۔ آپ مجھے فون نمبر اور طریقہ بتائیں، پولیس سے کیا کہوں، کیسے کہوں کہ وہ جلدی پہنچے اور ابو کو رنگے ہاتھوں پکڑ لے۔" کوئی اور وقت ہوتا تو وہ اچھل پڑتی لیکن ایک تجربہ اسے سبق سکھا گیا تھا۔

"بیٹا! اگر آپ کی امی نہیں چاہتیں تو اس سب کا کوئی فائدہ نہیں، وہ آپ کے ابو کو بچا لیں گی۔"

"میری گواہی اور ثبوت انہیں نہیں بچا پائیں گے۔ میں نے ان کی کئی ویڈیوز ریکارڈ کر رکھی ہیں، اگر کل وہ میری چھوٹی بہنوں پر بھی ہاتھ اٹھانے لگے تو میں کیا کروں گا۔ صرف اس لیے یہ سب یونہی چلتا نہیں دیکھ سکتا کہ میری امی دنیا سے یہ چھپانا چاہتی ہیں، اگر وہ غلط کر رہی ہیں تو کسی کو تو صحیح کام کرنا چاہیے۔"

اس کی آخری بات ٹھاہ سے ثناہ کے دل پر جا کے لگی تھی۔ اس نے کیوں نہیں سوچا یہ؟ اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے بعد بھی کیوں نہیں سوچا؟ اس

نے کبھی باپ کو دھمکی تک نہیں دی، سوال تک نہیں کیا۔ اس نے بھی تو ان کے لیے میدان کھلا چھوڑ دیا تھا۔ جو نانا، نانی نے کیا کیا وہ ہی کچھ اس نے بھی نہیں کیا؟

"باجی!" اس کی غائب دماغی اور خاموشی پر ذیشان نے زور سے پکارا۔

"آں......ہاں......" وہ فوراً کچھ بول نہ سکی۔

"میں بھی اس بارے میں اتنا نہیں جانتی کہ تمہیں ٹھیک سے گائیڈ کر سکوں۔ میں جلد کسی سے مشورہ کر کے اور ساری معلومات حاصل کر کے تمہیں بتاتی ہوں، اپنا فون نمبر دے دو مجھے اور اس دوران کوئی ایسی بات ہو تو مجھے فون کرنا، میرا نمبر لے لو۔"

اس کے جانے کے بعد وہ ایک نئے ملال میں مبتلا مسلسل سوچے جا رہی تھی یہاں تک کہ نانا، نانی آگئے۔ خبیب انہیں گاڑی سے چھوڑنے آیا تھا۔ انہوں نے پہلی بار اس کا کام یا ڈیزائنز دیکھے تھے اس لیے بڑے خوش تھے، خوب تعریف کر رہے تھے۔

اسے رات کا کھانا کھا کر جانے کی ہدایت دے کر نانا، نانی کچھ دیر آرام کرنے کمرے میں چلے گئے۔ فرحین کھانے کا انتظام دیکھنے اندر جانے لگیں تو وہ بھی ان کے پیچھے اٹھی۔

"ثناء!" خبیب نے آہستہ سے پکارا تو وہ رک گئی۔

"کوئی بات ہوئی ہے؟" وہ شاید ہمیشہ سے اسے ایسے ہی پڑھ لیتا تھا مگر اس کا پرچار اس نے اب شروع کیا تھا۔

اس نے ذیشان کی آمد اور مقصد کا احوال اسے سنایا۔ اسے مشورہ اسی سے تو لینا تھا۔ خبیب نے ذیشان کا نمبر لے کر خود ہی اس سے بات کرنے اور اس کی رہنمائی کرنے کا وعدہ کیا۔

"اس دوران اگر وہ فون کرے تو اسی وقت مجھے انفارم کریں۔ [illegible] وہاں پہنچیں یا کچھ اور کرنے کی کوشش نہ کریں۔"

"ہم۔"

"کوئی اور بات ہے۔" اس نے سوال نہیں کیا تھا۔ یقین سے کہا تھا۔ اس نے کچھ دیر خبیب کو دیکھا پھر دھیمی آواز میں کہنے لگی۔

"ذیشان جو کرنے کا سوچ رہا ہے، وہ میں بھی تو کر سکتی تھی، مجھے تو کبھی خیال بھی نہیں آیا۔" اس کی آواز میں پچھتاوا تھا۔

"ثناء! اس ماحول میں رہنے والے کی ذہنی کیفیت اور سوچ عام انسانوں سی نہیں ہوتی۔ وہ جو دیکھ اور جھیل رہا ہوتا ہے، وہ اس کی سمجھ بھی مفلوج کر دیتا ہے۔ میں تو مرد تھا لیکن ایک لمبے وقت تک میں بھی سب سہتا رہا، چھوٹی بہنوں کی زیادتی اور بدتمیزی پر بھی میری زبان بند رہتی تھی۔ میں ڈرا، سہما، ڈرپوک انسان تھا۔ کبھی ابا کو سچ بتانے کی بھی ہمت نہیں ہوئی۔ کیسے میرے حالات بدلیں گے، میں اس پر غور کرنے کے قابل نہیں تھا۔ اس گھر سے نکلنے کے بعد میں نے اپنی زندگی کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں لیا۔ میں یکایک نہیں بدلا تھا۔ میری سوچ میں انقلاب آہستہ آہستہ آیا تھا۔

اگر ذیشان اپنے گھر کے حالات بدلنے کے لیے کچھ کرنا چاہتا ہے تو بہت اچھی بات ہے، وہ ہم دونوں سے زیادہ مضبوط قوت ارادی رکھتا ہے لیکن یہ بھی یاد رکھیں، ہر کیس اور ہر شخص کا دفاعی میکنزم مختلف ہوتا ہے، سب کی برداشت کی حد بھی جدا جدا ہوتی ہے۔ آپ نے ایسا نہیں کیا تو اس میں کچھ غلط نہیں تھا۔" وہ اسے سمجھا رہا تھا لیکن اب اسے لگ رہا تھا نانا، نانی جیسا ہی صرف نظر اس سے بھی تو ہوا ہے۔

"اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اچھی نیت سے اٹھایا گیا قدم کسی نہ کسی کے لیے راستہ بنا ہی دیتا ہے۔ اس دن لگا تھا، آپ کا پولیس کو بلانا بیک فائر ہو گیا ہے لیکن دیکھیں، اس سے ذیشان کو راستہ ملا ہے۔"

ثنا کی نظر میں عقیدت سی در آئی۔ اسے شاید روشنی سے بنایا گیا تھا جب ہی تو وہ جگنو ہی بانٹتا رہتا تھا۔"

فرحین نے اسے آواز دی تو وہ اندر چلی گئی۔

☆☆☆

خُبیب اپنے گھر منتقل ہو گیا تھا۔ وہ نئی جگہ اپنا کام شروع کر چکی تھی۔ فرحین اس سے بات کرنے کا موقع ڈھونڈ رہی تھیں۔ اس میں در آئی تبدیلیوں پر سب سے زیادہ وہ ہی خوش تھیں۔ انہوں نے جو سوچا تھا۔ وہ ہو گیا تھا۔ نبیلہ نے ان سے خُبیب کے لیے ثنا کا کہا تھا لیکن وہ چاہتی تھیں کہ پہلے وہ ثناء سے بات کریں، وہ مان جائے اس کے بعد وہ خُبیب سے کہیں گی۔ فرحین کا اسے یہاں لانے کا مقصد تبدیلی تھا جو ممکن ہوئی تھی۔

خُبیب کو بھی شاید اب جواب کی جلدی تھی اس لیے اس نے لکھا تھا۔

''آپ چابیاں واپس کرنے کب آ رہی ہیں یا میں لینے آ جاؤں۔'' وہ بڑی دیر تک فون ہاتھ میں لیے بیٹھی رہی پھر ٹائپ کرنا شروع کیا۔

''اس گھر کی چابیوں کا ایک سیٹ میں ہمیشہ اپنے پاس رکھنا چاہتی ہوں۔''

''یعنی میں لینے آ جاؤں......آپ کو......؟'' خُبیب نے پوچھا۔ پڑھتے ہوئے وہ مسکرا دی۔

☆☆☆

وہ دونوں دفتر جانے کے لیے تیار ہو رہے تھے۔ خُبیب اسے چھوڑتے ہوئے اپنے آفس جاتا تھا۔

''اس کمرے میں جو جس ڈیکوریشن پیس کی ضرورت تھی، وہ تو آخر تک آیا ہی نہیں۔'' خُبیب کو یہ بات اچانک یاد آئی تھی۔ ''تم شاید بھول ہی گئی تھیں۔''

''میں بھولی نہیں تھی۔'' اس نے لیپ ٹاپ کا چارجر بیگ میں رکھتے ہوئے کہا۔

''پھر؟'' پرفیوم کی بوتل واپس رکھ کر وہ اس کی سمت مڑا۔

''اس کے لیے سب سے قیمتی ڈیکوریشن پیس سوچا تھا میں نے......'' وہ رک گئی۔ اب بھی وہ خُبیب کی طرح بے تکان نہیں بولتی تھی لیکن دنیا میں وہ واحد شخص تھا جس سے وہ دل کی باتیں کرتی تھی۔

''اسی لیے میں یہاں آ گئی۔'' وہ اب پہلے سی خشک مزاج اور کم گو نہیں رہی تھی پھر بھی اس کا یہ جملہ سن کر خُبیب حیران ہوا۔

''آپ تو کافی تیزی سے ترقی کر رہی ہیں مسز خُبیب۔'' وہ خوش گوار حیرت سے سنبھلتا اس کے پاس آیا۔ اس نے مسکرا کر بیگ کی زپ بند کی اور پلنگ سے دوپٹا اٹھا کر شانوں پر پھیلایا۔

''چلیں۔''

''لیکن اس سے پہلے ایک وضاحت'' اس نے ثناء کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے۔

''تم بلاشبہ قیمتی ہو لیکن ڈیکوریشن پیس نہیں ہو۔''

''پھر؟''

''تم وہ وجہ ہو جس نے اس چار دیواری کو گھر بنایا ہے، چیزوں سے سجا کر بھی اور محبت سے سجا کر بھی۔'' اس نے محبت کی ایک مہر اس کے ہاتھوں پر بھی سجائی۔

''اس سے پہلے ہمارے پاس گھر تھے کہاں! یہ ہم دونوں کا پہلا گھر ہے اور اسے ہم نے مل کر بنایا ہے۔'' ثنا نے سنجیدہ سی بات مسکرا کے کہی تھی۔ یہ خُبیب کی صحبت کے اثرات تھے۔

کچھ دیر بعد وہ گھر بند کر کے دفتر کے لیے نکلے تو برابر والے بنگلے سے شور اٹھ رہا تھا۔ یہ مکان اپر مڈل کلاس والوں کے تھے لیکن شور وہی تھا جو اس دن گلی میں ابھرا تھا۔ خُبیب کچھ سمجھتا اس سے پہلے ہی وہ اس بنگلے کے سامنے تھی۔

''ثنا!'' اس کی پکار بے کار گئی تھی اس نے کال بیل بجائی اور پھر دھڑا دھڑ دروازہ بھی پیٹ ڈالا۔

خُبیب نے ایک گہری سانس لے کر خود کو تیار کیا۔ اسے ایک قابل اور مثالی شوہر کی طرح ساری عمر بیوی کے ایسے پھڈوں میں کودنے کے بعد کے حالات سنبھالنے تھے کیوں کہ ثناء نے رکنا تھا نہ اس کا روکنے کا ارادہ تھا کہ اس کا یقین تھا نیک نیتی سے اٹھایا قدم کسی کے لیے راستہ بنا ہی دیتا ہے۔

☆☆